

رواقات کی طرف اشارہ کر کے کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح میں جنگ میں ثابت قدم ہستقلال کے ساتھ رہے، تمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہتے۔

بعض لغات کی تشریح [رِبِّيْعَى، بُكْرَى، وَشَدِيدَى، بَخْسُورَى وَضَمِيلَى] زَبَت کی طرف منسوب ہے، جیسے زَبَانِى معنی ہے رب والے، اس میں حرف راء مفتوج کی وجہ سے محفوظ خلاف قیاس سہستھمال ہوا ہے، (روح) بعض حضرات نے رِبِّيْعَى کے معنی بہت سی جماعتوں کے کئے ہیں، آن کے نزدیک یہ رِبَّه بُكْرَى، بمعنی الجماعة کی کی طرف منسوب ہے، رِبِّيْعَى راللہ تعالیٰ سے مراد ہیاں کون لوگ ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد علماء و فقیہاء ہیں۔ (روح المعلان) اِسْتَحْكَامَةٌ، اِسْتَحْكَامَةٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ذب جانے اور عاجز ہو کر رُکِّ جانے کے ہیں (بیضادی) ۱۰۷، وَهُنَّ مَنْ مُنْتَقَى ہے جس کے معنی ہیں ضعف و کمزوری۔

خلاصہ تفسیر

اور بہت بُنی ہو یجھے ہیں جن کے ساتھ بہت بہت اندوالے رکفار کے ساتھ (لڑکے پیش، ناخنوں نے ہمت ہاری ان مصائب کی وجہ سے جو ان پراللہ تعالیٰ کی راہ میں راقع ہوئیں اور ان کے (قلب یا بدنه) کا زور چھٹا اور نزدہ (دشمن کے سامنے) دبے رکان سے عاجز کی اور خوشامد کی اپیں کرنے لگیں، اور اللہ تعالیٰ کو اپیے مستقل مزاجوں سے مجتہ ہے (ادرافحال میں تو ان سے کیا غرض ہوئی)، آن کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا لہ کہ انھوں نے راللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (وطن کیا کہ اے ہمارے پر درودگار ہمارے ہجنا؛ دل کو اور ہمارے کاموں کو حمرے آئے بھل جانے کو بخش دیجیے، اور ہم کو رکفار کے مقابلہ میں) ثابت قدم رکھئے، اور ہم کو کافروں ہو گوں پر غالب کیجیے تو (اس ہستقلال اور دعا کی برکت سے) ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بد رہی دیار یعنی فتح و ظفر، اور آخرت کا بھی عرب بدرا (یا ربین رضا اور جنت) اور اللہ تعالیٰ کو لیے نیکو گاروں سے مجتہ ہے۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں سابق انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جہاد میں شریک اللہ والوں کی جنگ میں ثابت قدمی اور مصائب دشمنا کے ساتھ بھرنا شکر اور ہنایاں فرمائے کے

بعد ان کی ایک اور عنیم اثاث صفت کا بیان بھی اس طرح فرمایا ہے کہ وہ اپنی اس بے مثال دستربانی کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں چند دعائیں کرتے رہتے ہیں:

اَوْلَى يَرْكَبُهُ مَنْ هُنَّ مُعَافٍ فَرِمَادَ

دوسرے یہ کہ حالیہ عمل جہاد میں ہم سے جو کوتا ہی ہو گئی، ہواں کو معاف فرمائے۔

تیسرا یہ کہ ہمیں ثابت قدمی پر فائز رکھئے۔

چوتھے یہ کہ ہمیں دشمنوں پر غالب کرے۔

ان دعاؤں کے ضمن میں مسلمانوں کے لئے چند اہم ہدایات ہیں:

اپنے کبھی نیک عمل پر نازد ہیں کرنا چاہتے اول یہ کہ حقیقت شناس مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ بن عباسؓ اور حسن بصریؓ سے منقول ہے کہ اس سے مراد علماء و فقیہاء ہیں۔ (روح المعلان)

بکھر حال میں اللہ سے مخفیت اور عمل پر لکھا ہی بڑا نیک کام اور کتنی ہی جد و جہد اللہ کی بڑی قائم رہنے کی دعا کرتے رہنا چلتے ہیں کہ اس کو یہ حق نہیں کہ اپنے عمل پر نازد فخر کرے، کیونکہ درحقیقت اس کا عمل بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل درکرم کا فیض ہے، اس کے

بغیر کوئی نیک عمل ہو ہی نہیں سکتا، حدیث میں مذکور ہے:

فَوَاللَّهِ تَوَلَّ أَدْلَهُ مَا اهْتَدَنَا | "یعنی اگر اللہ کا نفضل و کرم نہ ہوتا تو

وَلَا تَنْصُلْ قَنَأً وَلَا صَدَقَنَا | ہم نے میدھے راستہ کی پایتھتی اور

نہم سے رکوہ دنمازدا ہو سکتی"

اس کے علاوہ جو نیک عمل کوئی انسان کرتا ہے وہ کتنا ہی درست کر کے کرے لیکن مالک الملک والملکوت کی شان جلالی کے مطابق کر لینا اس کے بس میں نہیں، اس لئے اس کے ادائے حق میں کوتا ہی ناگزیر ہے اس سے حالت عمل میں بھی استغفار کی ضرورت ہے، نیز یہ بھی کبھی کوالمیمان نہیں ہو سکتا کہ جو نیک عمل دہ اس وقت کر رہا ہے آئے بھی اسے اس کی توفیق ہوگی، اس نے موجودہ عمل میں کوتا ہی پر نداشت اور آئندہ کے لئے اس پر قائم رہنے کی دعا، مومن کا دلظیفہ ہونا چاہتے۔

غور کرہ دعاؤں میں سب سے پہلے اپنے چھپلے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان کو جو بخی و غم یا کوئی تکلیف یا دشمن کے مقابلہ میں شکست پہنچیں آتی ہے وہ اکثر اس کے سابقہ گناہوں کا اخراج ہوتا ہے، جس کا علاج استغفار دوہرہ ہے، مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے

عَنْمَ چُوبِينِ زَوْدَ اسْتَغْفارِكِنْ

عَنْ بَارِجَانِ آمَدَ كَارِكَنْ

آخری آیت میں اللہ والوں کو دنیا و آخرت دونوں میں اچھا بدلا دینے کا ذکر ہے، کہ دنیا میں بھی اشد تعالیٰ انعام کا رد شمنوں پر غالب اور اپنے مقصد میں کامیاب فرماتے ہیں، پھر آخرت کا بدلا تواصل بدله "ذمہ راحت ہے جس کو کبھی فنا نہیں، اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ثواب آخرت کے ساتھ لفظ حُنْق بُرْعَادِیاً گیا، وَحُنْقَ وَابِ الْآخِرَة فرمایا۔

يَا يَهُدَا الَّذِينَ أَمْنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كُفَّرُوا إِنَّهُمْ كُوَافِرُهُمْ إِنَّمَا يَأْمُلُونَ الْأَجْنَاحَ وَمَا وَهُمْ بِهِمْ مَشْوِرُ الظَّالِمِينَ ۝
لے ایمان والوں اگر بتھ کہا مانو گے کافر والوں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے
عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقِلِبُوا إِخْرِسِينَ ۝ بَلِ اللَّهِ مَوْلَكُمْ
آنے پاؤں پھر جا پڑے تم نقصان میں بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے
وَهُوَ خَيْرُ النَّصَارَىٰ ۝
اور اس کی مدد سب سے بہتر ہے

خلاصہ تفسیر

اغوڑہ احمد میں مسلمانوں کی عارضی شکست اور رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین نے جب جنگ کا پاسہ پلتے ہوئے دیکھا تو شرارت کا موقع مل گیا، مسلمانوں سے کہنے لگے کہ جب آپ ہی نہ رہے تو ہم اپنا ہی دین کیوں نہ ختم کر لیں، جس سے سارے جھگڑے مٹ جائیں، اس سے منافقین کی خجالت اور مسلمانوں کا بد خواہ دشمن ہونا ظاہر ہے، اس لئے آیت مذکورہ میں مسلمانوں کو بذمیت کی گئی ہے کہ ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں، ان کو اپنے کسی مشورہ میں شرک کر کریں، نہ ان کے کسی مشورہ کا اتباع کریں، توجیہی بھی آیات میں اللہ والوں کا اتباع کرنے کی بذمیت تھی اس میں منافقین اور مخالفین اسلام کے مشورہ پر عمل نہ کرنے اور ان سے بچنے رہنے کی ہدایت ہے، خلاصہ تفسیر یہ ہے:

اے ایمان والوں اگر تم کہنا مانو گے کافر والوں کا تروہت تم کو رکفر کی طرف) ایسا پھیر دیں گے مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹا اور بدگمان کرنا ہے جس کو کبھی صراحت بھی کہدیتے ہیں، اور کبھی صاف نہیں کہتے مگر انداز ایسا ڈالتے ہیں کہ رفتہ رفتہ ان کے دل سے اسلام کی عظمت دعجت کم ہوئی جلی جائے) پھر تم (ہر طرح) ناکام ہو جاؤ گے خلاصہ یہ کہ وہ تمہارے درست ہرگز نہیں اگر اپنہ ارادتی کا کریں)

بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا درست ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والاتھ، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں، اسی کی مدد پر بھروس کریں، فالذین اگر بتھاری نصرت احادیث کی کچھ تدبیسری بھی تبلائیں تو اللہ رسول کے احکام کے خلاف ان پر عمل نہ کرو
سَنَلْقَىٰ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَرْعَبَ إِيمَانًا أَسْرَكُوَا بِإِلَلَهِ مَا
اب ڈالیں گے ہم کافر والوں کے دل میں ہیبت اس دا سلے کو انہوں نے شرک کو شہر ایا اللہ کا
لَهُ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا وَهُمْ بِهِ مَنْوَىٰ الظَّالِمِينَ ۝
جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور ان کا طہکانا دوزخ ہے اور وہ بڑا مکلاما ہے ظالمین کا
وَلَقَدْ صَدَ قَلْمَرَ اللَّهِ وَعَدَ لَهُ أَذْتَ حَسْوَتَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا
اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے محکم سے بیان نہ کر
فِتْلَمُ وَنَازَ عَنْهُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرْسَلْتُمُّمَا
جب تم نے ناروی کی اور کام میں جھکڑا اڑا لاؤ اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھا جکا تمہاری
تَعْبِيُونَ مِنْكُمْ مَنْ يَرِيدُ اللَّهَ سِيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يَرِيدُ الْآخِرَةَ ۝
خوشی کی جیز کرنے میں سے چاہتا تھا دنیا اور کون تم میں سے چاہتا تھا آخرت
شَهَدَ حَارَ قَلْمَرَ عَنْهُمْ لِيُبَتَّلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَأَعْنَهُمْ وَلَوْلَهُ ذُو
پھر تم کو اکٹ ریا اُن پر سے تاکہ تم کو آزمائیے اور وہ تو تم کو معاف کر چکا اور اللہ کا
فَضْلٌ عَلَى الْمُوْمِنِينَ ۝

فضل ہے ایمان والوں پر۔

رَبِطَ آیات سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا ناصر و مردگار ہزا مذکور تھا، ان آیات میں نصرت الہی کے کچھ واقعات کا ذکر ہے۔

خلاصہ تفسیر

اہم ابھی ڈالے دیتے ہیں رُعَب (ریبیت) کافر والوں کے دلوں میں، بس بسا اس کے کہ انہوں نے اللہ کا شرک ایک ایسی چیز کو شہر ایا جس (کے قابل شرکت ہونے) پر اشد تعالیٰ نے کوئی دلیل ناصل نہیں فرمائی رہ لفظاً اور صراحت اور نہ محن یعنی ایسی دلیل جس کا شرع میں

امنبارہ موسی میں تمام دلائل عقلیہ تطبیہ داخل ہو گئے، مطلب یہ ہے کہ یہ توہن جانی اپنی کوئی دلیل نہیں
کیا ہی کرتا ہے، مگر کوئی قابل اعتبار دلیل ان کے پاس نہیں (اور ان کی جگہ جنم ہے، اور وہ
بڑی جگہ ہے خالموں کی، داس آئیت میں کفار پر رعوب و بدبست طاری کرنے کا جزو عده ہے اس کا
ظہور اس طرح ہوا کہ اذل توہن جو داس کے کوشش مسلمانوں کو ہو رہی تھی، مشرکین عرب
بلکس ظاہری سبب کے مکر کی طرف لوٹ گئے ریضاوی، پھر جب کچھ راستے طے کر پہنچے قوانین
حاقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمان دم توڑ پھکے تھے تو اس وقت رہاں سے دا پس آنا کوئی
دانشندی نہیں تھی، اور پھر مدینہ کی طرف والپی کا کچھ ارادہ کیا، تو اس نے ان کے دلوں پر ایسا
رعوب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہست شہوی۔

کسی راہ پتے گاؤں والے سے کہدا یا کہم تجھے اتنا مال دیں گے، تم دینہ جا کر مسلمانوں کو
ڈرا دکرہ پھر لوٹ کر آ رہے ہیں، یہاں پر سارا داقر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی
معلوم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تعاقب کے لئے مقام حرام الاصدیق
پہنچے، مگر وہ بھاگ پہنچے تھے، پر آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

اگلی آیتوں میں غزوہ احمد کے اندر مسلمانوں کی عارض شکست اور مغلوبیت کے
اسباب کا بیان ہے، ارشاد ہے) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے قوم سے اپنا وعدہ (نصرت کو
چاکر دکھایا، جس وقت کہ تم (ابتداً قتال میں) ان کفار کو بھی خداوندی قتل کر رہے تھے،
راوریہ سماں اغلب آہستہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ تم خود ہی رہائے میں) کمزور ہو گئے،
راس طرح کہ جو سخنوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقب کے موڑ پر پچاس ساہی اور
اہک افسر کو بٹھا کر فرمائی تھی اس میں بعض کو غلط فہمی ہو گئی کہ مسلمان فتح پا پہنچے ہیں، اب یہاں
پہنچ رہنے کی مزدورت ختم ہو گئی، اس لئے ہمیں بھی دشمن کے مقابلہ میں شرک ہو جانا چاہیے،
اور باہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں اختلاف کرنے لگے رکہ بعض تو اسی جگہ
جسے رہنے کی ہدایت پر قائم رہے، اگر بعض دوسروں نے دوسرا بخوبی پڑھ لیا تو اسی دلدار
ملامت اسی دوسرا بخوبی پڑھ لیے کہ) اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر نہ چلے
بعد اس کے کہ تم کو سماں دل خواہ بات (آنکھوں سے) دکھاری تھی (یعنی مسلمانوں کا غلبہ
و دکھلا یا تھا، اور اس وقت سماں دل خواہ تھے جو دنیا رکا لیتا)

چلہتے تھے (یعنی کفار کا تعاقب کر کے مال فیمت جمع کرنا چاہتے تھے) اور بعض تم میں
وہ تھے جو رصرف آخرت کے طلبگار تھے راب پیز کہ بعض سے ماٹے کی کمزوری اور
خلاف حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا بخوبی پڑھ لیا اور آپ کے کہنے پر نہ چلنا

اور طلب ذنیا ہے بعض امور سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بنڈ کرنا
اور پھر تم کو ان کا نا۔ رپر غائب آئے) سے ہذا دیوار بار بار جو دیکھی یہ عارض شکست سماں رے فعل
کا تیجوں تھی، مگر بھر بھی منجانب اللہ یعیں بطور سزا کے نہیں بلکہ اس معلوٰت سے ہوا تاکہ خدا
تعالیٰ سماں آرائش (ریمان کی) فرما دے رچا چاہی اس وقت منافقین کا نفاذ کھل گیا اور خلصہ
کی قدر بڑھ گئی) اور یقین سمجھو کر اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا اب آخرت میں مواجهہ
نہ ہو گا) اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں (کے حال اپر

مکارہت و مسائل

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ کرام اپنے ظاہر ہے کہ غزوہ احمد میں بعض صحابہ کرام کی راتے کی غلطی ہوئی
کام مقام بندہ اور اس کی رعایتیں تھیں جس پر سابق متعدد آیات میں تنبیہ اور آئندہ کے لئے اصلاح
حال کی ہدایات کا سلسلہ چالا آتا ہے، مگر اس عتاب اور تنبیہات کے اندر بھی صحابہ کرام کے
ساتھ حق جل شاد کی عنایات قابل دیدیں، اذل تو لیتھیکمُ فرما کر یہ ظاہر فرمادیا کہ عارضی
شکست کی جو صورت پیش آئی ہے بطور سزا کے نہیں، بلکہ آرائش کے لئے ہے، اچھے
صف اتفاقوں میں خطا کی معافی کا علان فرمادیا اُن تقدیں عفاختھمُ
بعض صحابہ کرام کے آیات مذکورہ میں ارشاد ہوا ہے کہ اس وقت صحابہ کرام کے دو گردہ ہو گئے
ارادہ دنیا کا مطلب (تحم، بعض دنیا چاہتے تھے، بعض صرف آخرت کے طلب گار تھے)
یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جن حضرات کے متعلق طالب دنیا ہونے کا ذکر ہے یہ
ان کے کس عمل کی بناء پر ہے، ظاہر ہے کہ مال غیریت جمع کرنے کے ارادے کو طلب دنیا
سے تعبیر کیا گیا ہے، اب غر کر دکر اگر یہ حضرات اپنے ہو رچے پر جم رہتے اور مال غیریت
جمع کرنے میں شرک دھوتے تو کیا ان کے حصہ غیریت میں کوئی کمی آجاتی، اور شرک
ہو گئے تو کوئی زیادہ حصہ مل گیا، قرآن و حدیث سے ثابت شدہ قانون غیریت کو جو شخص جنتا
ہے اس کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ مال غیریت کے جو حستہ ان کو ملے گا اس میں کی حال
کوئی فرق کمی بیشی کا نہ تھا، مال غیریت جمع کرنے کی صورت میں بھی اُن کا حصہ دی ہی رہے گا
جو اپنی جگہ مورچے پر جمعے رہنے کے وقت ملتا۔

ترواب یہ ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل خالص طلب دنیا تو ہو نہیں سکتا، بلکہ بجا ہیں کے
ہدام میں شرک ہے، اُن طبعی طور پر اس وقت مال غیریت کا خیال دل میں آ جانا مستعد ہیں
گر جن تعالیٰ اپنے رسول کے ساتھیوں کے تلوب کو اس سے بھی پاک صاف دیکھا چاہتے ہیں،

کمال کا تصرف ہی کیوں آتے، اس لئے اس نظر کو طلبِ نیا سے تحریر کر کے ناپسندیدگی کا انتہا فرمادیا، وائے اعلم۔

إِذْ نَصَعِلُ دَنَّ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَبْلُغُ كُمُورَ فَ
تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیغمبر کو تمہارے چشمے کریں کر اور رسول پکارتا تھا تم کو سماں سے
أَخْرَنَكُمْ فَإِنَّا بَكُمْ غَمَّا بَغَمْ ۖ تَكَبَّلَ تَعْزِيزُهُ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ
پیغمبر سے پھر پہنچا تم کو غم عوض میں عمر کے تاکر عمر نہ کیا کہ اس پر جو ہاتھ سے نکل جائے
وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۖ وَاللَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ ۚ ثم آمِرَ
اور نہ اس پر کوئی سبیش آجائے اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی پھر تم پر آمارا
عَلَيْكُمْ دُنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةٌ نَعَسًا يَعْشُى طَائِفَةٌ مِنْكُمْ ۚ
تنقیل کے بعد امن کو جو اونچگی خی کرو صانع دیا اس اونچگی نے بعضوں کو تمہیں سے
وَطَائِفَةٌ قَلْ أَهْمَتُهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلَمُونَ بِاللَّهِ شَيْرَ الْحَقِّ
اور بعضوں کو نکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال

ظَنَنَ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۖ فَتَلَّ
جاہلوں میں ہے کہتے تھے کبھی بھی کام ہے ہاتھ میں تو کہہ
إِنَّ الْأَمْرَ مَكَلَةٌ لِلَّهِ طِيْخُفُونَ فِي
سب کام ہے اللہ کے ہاتھ دیا ہے جیسے جیسے

أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يَبْلُغُونَ وَلَنَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ
چھپاتے ہیں جو تم سے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا
شَيْءٌ لَا تَعْلَمُونَ إِنَّا ذَلِلْ لَوْ كَنْتُمْ لَدَنَّ الَّذِينَ
ہاتھ سے ہاتھ تو ہم اسے نہ جاتے اس لگ بھگ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے ٹھوڑیں میں البتہ باہر بھٹکتے
كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلَيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا
جن پر لکھ دیا تھا ادا جانا اپنے پڑاؤ پر اور اش کو آرما تھا جو کچھ

فِي صَدْرِهِ وَلَيَهُ خِصَّ مَافِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ
تمہارے جس میں ہے اور صاف کرنا تھا اس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا ہے

بِدَاتِ الصَّدْرِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَّقْيَىٰ
رلوں کے بھیڈ جو لوگ تمہیں سے ہٹ گئے جس دن لوگیں دو

الْجَمِيعُ إِنَّمَا أَسْتَرَ لَهُمُ السَّيْطَنُ ۖ بَعْضُ مَا كَبُوَا ۖ وَلَقَدْ
ذیں سران کو بھکار دیا شیطان نے ان کے گھناء کی شامت سے اور ان کو
عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۝ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝
بعش چکا اللہ اشہ بخش دالا ہے عمل کرنے والا

رَبِطَ آيَاتٍ یہ آیات بھی غزوہ احمد کے واقعہ نہ کوہ سے متعلق ہیں، پہلی آیت میں اس
وقت پر صحابہ کرام کے حزن و غم کا ذکر ہے، اور دوسری طویل آیت میں اس
غم کے ازالہ کا بیان ہے، تمہری آیت میں مکراں کا اظہار ہے کہ اس میں جو صورتِ شکست پیش
آن وہ بھی کوئی مزا نہیں، بلکہ مومنین غاصبین اور منافقین میں تفرقة کرنے کے لئے ایک
آزمائش تھی، اور پھر مکراہ کرام کی لغزش کی معانی کا اعلان ہے۔

خلاصہ تفسیر

دہ وقت یا درگرد جب تم رہما گئے ہوئے جگہ کو) چڑھتے ہیں جارہے تھے اور کسی کو
مُؤْذِنَ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول رصل اللہ علیہ وسلم تمہارے پیغمبر کی جانب سے تم کو
پکار رہے تھے (کہ ادھر آؤ ادھر آؤ مگر تم نے سُنَا ہی نہیں) سوالِ اللہ تعالیٰ اس کے بدله میں
غم دیا بہبوب (تمہارے) غم دینے کے رسول اللہ رسول اللہ علیہ وسلم کو ہتاکر (اس پا داش
اور مصیبت سے تم میں پیش کیا ہو جائے جس سے پھر تم معموم نہ ہوا کہ وہ اس چیز پر جو
تمہارے ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے اور اللہ تعالیٰ سب خبر
رکھتے ہیں تھا اس سب کاموں کی راس لئے تم جیسا کام کرتے ہو اس کے مناسب پا داش
تھیں جو تم سے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا
شَيْءٌ لَا تَعْلَمُونَ إِنَّا ذَلِلْ لَوْ كَنْتُمْ لَدَنَّ الَّذِينَ
ہاتھ سے ہاتھ تو ہم اسے نہ جاتے اس لگ بھگ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے ٹھوڑیں میں البتہ باہر بھٹکتے
كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلَيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا
مسلمانوں پر اونچگہ غالب ہوئی جس سے سب غلط ہو گیا) کہ تم میں سے ایک جماعت دینی
مسلمانوں پر تو نیند کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی (یعنی منافقین کی) کہ ان کو اپنی
چائی ہی کی نکر پڑ رہی تھی رک دیجئے یہاں بچ کر بھی جاتے ہیں) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ
خلاف راتیع گمان کر رہے ہیں جو محض حاقت کا خیال تمہارہ خیال آگے ان کے قول سے

اور اس کا حادثت و جہالت ہونا اس کے جواب سے معلوم ہوتا ہے، ان کا قول یہ ہے کہ وہ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا خستہ یار کو چلنا ہے (مطلوب یہ بتا کر ہماری رائے کیسے تھی، متنی جو جنگ سے پہلے ہم نے ری تھی خواہ نزا دسب کو مصیبۃت میں پھنسا دیا) آپ فرمادیجے کہ خستہ یار تو سب اللہ ہی کا (جلت) ہے (مطلوب بہ کہ اگر تمہاری رائے پر عمل بھی ہوتا جب بھی قضاہ الی نما بہ رہتی اور جو اخبار آئے والی تھی اکر رہتی، چنانچہ ان کے قول اور اس کے جواب کام طلب آگئے فصل آتا ہے) وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پڑھیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے (صراحت) ظاہر نہیں کرتے (کیونکہ ظاہر میں ان کے اس قول کا کہ ہمارا کیا خستہ یار ہے یہ مطلب بھما جاسکتا ہے کہ تقدیرِ الہی کے سامنے بندہ کی تدبیر نہیں چلتی ہو کہ عین ایمان کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جو لطیفہ جواب دیا گیا اس میں اس معنی کی تصدیق بھی ہے کہ واقعی اختیار اللہ ہی کا غالب ہے، مگر در حقیقت ان کا مطلب اس قول سے یہ نہیں تھا، بلکہ وہ یہ بات اس معنے سے، کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ خستہ یار چلتا رہیں ہماری رائے پر عمل ہوتا تو ہم (میں ہو) لوگ یہاں قتل ہوتے وہ (یہاں مقتول نہ ہوتے) جس کا حامل یہ ہے کہ تقدیر کوئی چز نہیں اسی نے آگے ان کے اس قول کی تکذیب اس طرح کی گئی کہ آپ فرمادیجے کہ اگر تم تو اپنے مکروہ نہیں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل معتدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف رانے کے لئے انکل پڑتے چلا وہ (قتل ہو کر) گزرے یہیں (غرض یہ ہے کہ یہ ظاہری مضرت جس قدر ہوئی وہ قوٹیے والی نہ تھی) اور اس کے فائدہ و منافع بہت عظیم تھے کیونکہ ہو کچھ ہوا اس نے ہوانا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات (یعنی ایمان) کی آزمائش کرے رکیونکہ اس مصیبۃت کے وقت منافقین کا ففاق کھل گیا اور مومنین کا ایمان اور زیادہ متوکد اور محقن ہو گیا، اور تاکہ متحالیے دلوں کی بات (یعنی اسی ایمان) کو (شاستب اور وسادس سے) عنت کر دے (کیونکہ مصیبۃت سے مومن کی توجہ غیر اللہ سے ہست کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جاتی ہے جس سے ایمان کو چلا رہا اور قوت پہنچتی ہے) اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باقول کو نجوب جانتے ہیں ران کو آزمائش کی حاجت نہیں، مگر اس نے کہ عدالتی طریقے سے مجرم کا جرم کھل کر سامنے آجائے ایسے امورِ واقع کے جانتے ہیں، یقیناً تم میں جن لوگوں نے زیدان جنگ کے پشت پھیر دی تھی جس روز کر ددد نوں جاعتیں (سلاماں اور کفار کی) باسم مقابل ہو میں (یعنی احمد کے روز اس کی وجہ) اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے تجزی ویسی ان کے بعض اعمال رکذ مشترہ کے بہبے (یعنی ان سے کچھ خطاب و قصو ایسے ہو گئے تھے جس سے شیطان کران سے اور بھی معصیت کرادیشے کی طرح ہو گئی، اور افغان

سے وہ طبع یورسی بھی ہو گئی، اور لفظین سمجھو کر اللہ تعالیٰ نے آن کو معاف فزاریا، واقعی اللہ تعالیٰ پرے مغفرت کرنے والے بڑے علم والے ہیں (کہ صدور خطاب کے وقت بھی کوئی سزا نہیں دی)

معارف فہ مسائل

ذکر الصدر پہلی آیت میں کچھ صحابہ کرام کا میدان جنگ چھوڑ کر چلا جانا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادی نے پر بھی ان کا رہا، اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم ہونا اور اس غم کے بدله میں انجام کا رصحابہ کو غم ہونا مذکور ہے، اور روایات حدیث میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے پکارا تو مسلمان جمع ہو گئے۔

اس کی توجیہ و تطبیق صاحب روح المعانی نے اس طرح کی ہے کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا جو صحابہ کرام نے سنائیں، اور دوسرنکلے چلے گئے، اس وقت حضرت کعب بن مالک نے پکارا دہ سبئیں سن دیا تو جمع ہو گئے۔

بیان یہاں میں حضرت حیثیم الافت نے فرمایا کہ اصل وجہ گھبراہست کی یہ خبر تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے، آپ کے پکار لے میں اس خبر کی کوئی تردید تو تھی نہیں اور آزاداً اگر ہبہ سچی بھی ہو تو پہچانی نہیں گئی، پھر جب حضرت کعب بن مالک نے پکارا تو اس میں اس خبر کی تردید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات ہونا مذکور تھا، یہ من کر سب کی تسلی ہوئی اور سب جمع ہو گئے، ہاتھ رہا یہ کہ پھر اس پر حکم تعالیٰ کی طرف سے عتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم کیوں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اگر مستقبل مراج رہتے تو آزاد کو پہچان سکتے تھے۔

احد کے معاقب مزاہیں بلکہ آزمائش تھے **وَلَيَتَبَيَّنَ إِلَهُمْ مَا فِي صُدُورِكُمْ** الایت سے معلوم ہوا اور جو لغزش بعض صحابہ کرام سے ہوئی وہ کمزورہ احمد میں جو معاقب اور مکالیف صحابہ کرام کو سعادت کر دی گئی پیش آئیں وہ بطور مزاہیں بلکہ بطور آزمائش تھیں، اس امتحان کے زریعہ مومنین، مخلصین اور منافقین میں فرق کا اظہار کرنا تھا، اور آئیا پکھڑو گھٹھا کے الفاظ سے جو اس کا مسزاہ ہونا معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق یہ ہے کہ صورت تو مزاہی کی تھی مگر یہ سزا بیان اصلاح کے لئے تھی جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کو، استاذ اپنے شاگرد کو کچھ سزا دیتا ہے تو عرف میں اس کو مزاہی کہہ سکتے ہیں، مسخر در حقیقت یہ تربیت اور اصلاح کی ایک صورت ہوتی ہے، حاکماء مزاہی مختلف ہے۔

وَقُوَّاتُهُ مِنْ سَلَازُولَ پِرِ | جملہ مذکور **لیبْتَقْتَلَیَ** سے آخر آیت تک بجز اشارہ اس سے تو پیدا ہے
مَسَابِقَ اسَابِقَ سَبَقَتْهُ؛ ہوتا ہے کہ قویع مصائب کا سبب یہ ربانی حکمتیں تھیں، لیکن انھی
آیت میں **إِنَّمَا أَسْقَرَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ** بعض ماسکبتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات
کی کوئی سابق نفعش اس شیطانی اثر کا سبب ہے۔

جزاب یہ ہے کہ ظاہری سبب تورہ لغزش، ہی ہوئی کہ اس کی وجہ سے شیطان کو ان سے
اور معصیت کرایے کی بھی طبع ہو گئی، اور اتفاق سے اس کی وہ طبع پوری بھی ہو گئی، مگر اس
لغزش اور اس کے پچھے آنے والے نتائج میں یہ تکریبی حکمتیں متور تھیں، جن کو **لِبْتَقْتَلَیَ** کہ ف
میں بیان فرمایا ہے، روح المعنی میں زجاج سے نقل کیا ہے کہ شیطان نے ان کو لجھتے وہ گناہ یاد
دلاسے جن کو لے کر حق تعالیٰ سے منان ان کا چھاڑ معلوم ہوا، اس لئے چوار سے ہٹ گئے، تاکہ وہ اپنی

حالت کو درست کر کے پھر پسندیدہ حالت پر چادر کریں اور شہید ہو کر اللہ سے ملیں۔
ایک گناہ درستے گناہ کا آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ایک گناہ درستے گناہ کو کھینچ لاتا ہے
جسی ہبہ ہو جاتا ہے | جسے ایک نیک دوسرا کو کھینچتے ہے، یعنی اعمال حسنہ اور رسیئری
تھا ذرا بھی، جب انسان کریں ایک نیک کام کر دیتا ہے تو تجربہ شاہد ہے کہ اس کے لئے دوسرا
تیکیاں بھی آسان ہو جاتی ہیں، اس کے دل میں نیک اعمال کی رغبت بڑھ جاتی ہے، اسی طبع
الان کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اس کے دوسرے گناہوں کا راستہ ہو اکر کر دیتا ہے، دل میں
حمناہ کی رغبت بڑھ جاتی ہے، اس لئے بعض بزرگوں نے فرمایا،

إِنَّمَا يَجْزِأُ الْعَكْنَةُ الْحَكْمَةُ | "یعنی نیک کام کی ایک نقد جزا وہ
يَعْلَمُ هَادِيَانَ مِنْ بَرَّاءَ التَّيْمَةِ" | دوسرا نیک ہے جس کی توفیق اس کو ہو جائے
ہے اور پرے عمل کی ایک سزاوہ درست گناہ
ہے جس کیلئے پہلے گناہ فی راستہ ہوا کر دیا ہے،

حضرت یحییم الامت نے مسائل اسلوک میں فرمایا کہ حدیث کی تصریح کے مطابق گناہ
سے تلب میں ایک نظمت اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے اور جب قلب میں نظمت آجائی ہے
تو شیطان قابو پا لیتا ہے۔

الله تعالیٰ کے نزدیک صاحبِ کرام و اندر احمد میں جو لغزشیں اور خطاؤں میں بعض اصحابِ کرام خیلے
کا مقام بلند اور ان کی خطاؤں پر صادر ہوئیں وہ اپنی ذات میں بڑی شریدار و عفت تھیں،
عفر و در غذر کا بیشتر معاامل جس مورچہ مرچاں صاحبِ کویہ حکم دے کر بٹھایا تھا کہ ہم رکھے
بھی حال گزرسے تم ہیاں سے نہ ہٹنا، ان کی بڑی تعداد ہیاں سے ہٹ گئی، اگرچہ ہٹنے کا

ان کی یہ اچھا وی غلطی ہی کہ ابستخ ہو چکی ہے اس کم کی تعمیل پوری ہو چکی ہے، ہیاں سے
اکر سب سلانوں کے ساتھ مل جانا چاہئے، مگر درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم
ہدایت کے خلاف تھا، اسی خطاء و تصور کے نتیجہ میں میدان جنگ سے بھائیوں کی غلطی سرزد ہوئی چاہیے
اس میں بھی کسی تاویل ہی کا سہارا لایا گیا ہوا جیسا کہ زجاج سے اور پر نقل کیا جا چکا ہے، پھر یہ
میدان جنگ سے بھائیوں کی حالت میں ہوا اک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہیں، اور
پچھے سے ان کو آزادی رہے ہیں، یہ چیزیں اگر شخصیات اور مگر دشیں کے حالات سے الگ
کر کے دیکھی جائیں تو بلاشبہ سخت ترین اور ایسے منیگیں جرم تھے، کہ مثا جرأت صحابہ کے سلسلہ
میں مختلف صحابہ پر جتنے الزامات مختلفین کی طرف سے لگاتے جاتے ہیں یہ ان سبکے زیادہ شدید
جرائم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مگر غور کیجئے کہ حق تعالیٰ ان تمام خطاؤں اور لغزشوں کے بعد بھی ان حضرات کے ساتھ
کیا معامل فشرما یا، وہ مذکورہ آیات میں بڑی رضاحت سے آگیا، کہ اول ظاہری انعام اونچے
کا بھیج کر ان کی تکلیف اور زیکان در پریشانی دور کی گئی، پھر یہ بتلایا گیا کہ جو مصائب اور عنصیر
سلاموں کو اُس وقت پہنچا ہے وہ نری سزا و عقوبہ نہیں بلکہ اس میں کچھ مرتبیہ حکمتیں مسکور
ہیں، پھر صاف لفظوں میں معانی کا اعلان فشرما یا، یہ سب چیزیں ایکہ نہ براہ اس سے پہنچے
آپکی ہیں، اس جگہ پھر ان کا اعادہ فرمایا، اس تکرار کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پہلی مرتبہ تو خود
صحابہ کرام کی تعلیٰ کے لئے یہ ارشاد فشرما یا گیا، اور اس جگہ منافقین کے اس قول کا رد بھی مقصود
ہے، ہرود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم نے ہماری رائے پر عمل نہ کیا اس لئے مصائب و مخالفیت
کا سامنا ہوا۔

بہرحال ان تمام آیات میں یہ بات بڑی رضاحت سے سامنے آگئی کہ حق تعالیٰ کی
بارگاہ میں اپنے رسول محمد مصلحتِ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو خوبیت کا وہ مقام حاصل
ہے کہ اتنی بڑی عظیم خطاؤں اور لغزشوں کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ صرف عفو و درگذر
کا ہی نہیں، بلکہ لطف و کرم کا فرمایا گیا، یہ معاملہ تو خود حق تعالیٰ کا اور نصوصِ تحریک آن کا
بیان ہوا ہے، اسی طرح کا ایک معامل حضرت حاطب ابن الی بن متعمر کا حضور کے ساتھ
پیش ہوا، انہوں نے مشرکین مکر مسلمانوں کے حالات کے متعلق ایک خط لکھ ریا تھا،
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پذیریہ وحی اس کی حقیقت کھلی اور خط پکڑا گیا تو صحابہ کرام میں
حاطب ابن الی بن متعمر کے خلاف سخت غنیم و غصب تھا، فاروق عظیم مرنے عومن کیا کہ مجھے اجاز
دیجئے کہ اس منافق کی گردن مار دوں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ وہ منافق

نهیں مولوی مخلص ہی گیر غلطی ان سے منزد ہو گئی، اس لئے اس کو معاف فرمایا، اور فرمایا کہ ایں اب بدر میں سے ہیں، اور شاید اللہ تعالیٰ نے تمام حاضرین بذرک متعلق مغفرت اور معافی کا حکم نافذ کر دیا ہے (زیر دایت حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے)

یہیں سے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ اور عمل کی تصدیق ہوتی ہے کہ صاحبہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ گناہوں سے مقصود نہیں، مسلمانوں کے نئے ایک سبق ایں سے اہل سنت والجماعت کے لئے پہچانے سے بڑے گناہ بھی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود امت کے لئے پہچانے کا طرف کسی براہی اور عیوب کو منسوب کرے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نہیں کہ ان کی طرف کسی براہی اور عیوب کو منسوب کرے، جب کہ اعمال ہیں ہو جاتا ہے، اور بہ طبع اپنے کے اعمال صاحبہ کرام کے برابر کسی درست کے اعمال ہیں ہو سکتے، اور اللہ تعالیٰ کے عفو و گرم کے جتنے وہ سنتی ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، اس لئے کسی کو رحمت نہیں کہ ان کے اعمال پر مرتا گفہ کرے، اور ان میں سے کسی پر محن و اعتراف کی زبان کھوئے کر ان میں سے کبھی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے حضرت عثمان غنیؓ در بعض صحابہ کرام پر غرورہ احمد کے اس دادعہ کا ذکر کر کے ملعون کیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادا اس پر ملعون کرنے کا کبھی کو کیا حق ہے (صحیح بخاری)

اس لئے اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کامیں سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم اور ان پر محن و اعتراف سے پر بزرگ و احتجب ہے، عقائد نفسیہ میں ہے:

وَتَكْفُ عَنِ الْكُفَّارِ الصَّحَابَةُ یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر بغیر خبر کے اور بطلانی کے نہ کرے۔

اور شرح سامرہ ابن ہمام میں ہے

إِنْقِنَادًا هُلُلَ الشَّنَّةَ تَرْكِيَةً یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کو عدوں و لئنات سمجھیں،

بِجَمِيعِ الصَّحَابَةِ وَالشَّأَوَاعْلَيْهِمْ ان کا ذکر مرحوم شاہ کے ساتھ کریں؟

شرح مواقف میں ہے،

يَعْبُدُ تَعْظِيمَ الصَّحَابَةِ كَلَّاهُمْ یعنی تمام صحابہ کی تعظیم و احتجب ہے،

وَالْكَفُّ عَنِ الْقُلُّ حَفِظُهُمْ اور ان پر محن و اعتراف سے باز رہنا واجب ہے،

وَاجِبٌ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے عقیدہ واسطیہ میں فرمایا ہے کہ:-

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جزو اختلافات اور قتل و قاتل ہوئے ہیں ان میں کسی پر ازلام و اعتراض کرنے سے باز رہیں، وجہ یہ ہے کہ تایخ میں جو روایات میں سے ہیں، اور شاید اللہ تعالیٰ نے تمام حاضرین بذرک متعلق مغفرت اور معافی کا حکم نافذ کر دیا ہے (زیر دایت حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے)

یہیں سے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ اور عمل کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ گناہوں سے مقصود نہیں، مسلمانوں کے نئے ایک سبق ایں سے اہل سنت والجماعت کے لئے پہچانے سے بڑے گناہ بھی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود امت کے لئے پہچانے کا بھی کافی قانون ہے ہے کہ ان الحسنات يُؤْدِيُنَ الْبَيِّنَاتِ میں اعمال صالحہ سے بڑے اعمال کا بھی کافی ہے اپنے اصلیت کے خلاف کردی گئی ہیں، اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرام رہیں جو روشنوں نے اڑاں ہیں، اور جو ز میں اچھا دادی رائے کی بناء پر معذ و رہیں، اور بالفرض جہاں وہ معذ و رہی نہ ہوں تو اللہ کا اس میں اچھا دادی رائے کی بناء پر معذ و رہیں، اور بالفرض جہاں وہ معذ و رہی نہ ہوں تو اللہ کا قانون ہے ہے کہ ان الحسنات يُؤْدِيُنَ الْبَيِّنَاتِ میں اعمال صالحہ سے بڑے اعمال کا بھی کافی ہے اپنے اصلیت کے خلاف کردی گئی ہیں، اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسی طبقہ میں ہے، اور بہ طبع اپنے کے اعمال صاحبہ کرام کے برابر کسی درست کے اعمال ہیں ہو جاتا ہے، اور بہ طبع اپنے کے اعمال صاحبہ کرام کے برابر کسی درست کے اعمال ہیں ہو سکتے، اور اللہ تعالیٰ کے عفو و گرم کے جتنے وہ سنتی ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، اس لئے کسی کو رحمت نہیں کہ ان کے اعمال پر مرتا گفہ کرے، اور ان میں سے کسی پر محن و اعتراف کی زبان کھوئے رعایتہ واسطیہ ملخصہ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّكُمْ نُوَّا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَأَوْتَاهُمُوا
إِنَّمَا يَنْهَا إِنَّمَا يَنْهَا إِنَّمَا يَنْهَا إِنَّمَا يَنْهَا إِنَّمَا يَنْهَا
لَا يَحْوَى نَهَمْ لِذَا خَرَبَوْا فِي الْكَرْبَلَةِ وَلَا يَحْوَى لَوْكَانِي لَوْكَانِي
اپنے بھائیوں کو جب وہ سفر کر نہیں ملک میں یا ہوں چار میں اگر رہتے
عِنْدَ تَامَّا مَا تَوَهَّا وَمَا قَتَلُوا هِيَ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذِلْقَ حَسَرَةَ
ہمایے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے اس گمان سے انہوں
قَلُوْبِهِمْ طَوَّا لِلَّهِ يَعْلَمُ وَيَعْلَمُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَعْمَلُونَ
ان کے دلوں میں اور اسرائیل چلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ تھکا کے سب کام
بَصِيرٌ ۝ وَلَئِنْ قُتِلُّنَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُنْتَهِ لِمَغْفِرَةٍ
ریختا ہے اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے تو بھی
مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَئِنْ مُسْتَمْ
اللہ کی اور ہر بالی اس کی بہتے سچرے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر جائے
أَوْ قُتِلُّنَّ لِلَّهِ أَوْ لِنَحْنُ نَحْنُ حَسَرَوْنَ ۝
بالی گئے تو ابتداء اللہ کے آئے اگئے ہو گئے تم سب

رَبِّطَ آیات [چھل آیتوں میں منافقین کا یہ قول بیان کیا گیا تھا کہ توہنگان نہیں من الامر شرع و مذاقیناً همہماً، یعنی اگر ہمارا کچھ خستیاں ہوں اور ہماری رائے مالاں جاتی گوہم یہاں قتل نہ ہوتے، جسکر آگے بھی نفل کیا گیا ہے، ایسے اقوال کے سنتے سے یہ احتمال تھا کہ مختلف مسلمانوں کے دلوں میں پکھوٹکوک دشہبات نہ پیدا ہو جائیں، اس لئے مذکورہ بالا آیات میں مسلمانوں کو ایسے احوال داھوال سے پرہیز کرنے کی اور موت و جہات کو صرف تابع تقدیر ہونے کی پڑائیں دی گئی ہیں ।]

خلاصہ تفسیر

اسے ایمان والوں کی طرح مت ہو جانا بودھیقت میں کافر ہیں (مگو ظاہر) اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں، اور کہتے ہیں اپنے (بھم نسب یا ہم مشرب) بھائیوں کی نسبت جبکہ وہ لوگ کسی سرزین میں سفر کرتے ہیں را اور وہاں اتفاقاً مر جاتے ہیں، یادہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں (اور اس میں تقدیر سے قتل ہو جاتے ہیں تو وہ منافق کہتے ہیں)، کہ اگر بے لوگ ہائے پاس رہتے (سفر اور غزوہ میں نہ جاتے) تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ بات ان کے دل اور زبان پر اس نے آئی ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب کے لئے موجب حسرت کر دیں یعنی تیجہ اس طرح کی باطل کا حسرت کے سوا کچھ نہیں، اور مارنا جلاتا تو اللہ ہی ہے رخواہ سفر ہو یا حضرا اور جنگ ہر یا امن) اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھے ہے ہیں، رتو اگر تم بھی ایسی کرو یا ایسے خیالات میں مبستلا ہو تو ده اللہ تعالیٰ سے بو شیدہ نہیں رہے گا، اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا کہ (اللہ کی راہ میں) مر جاؤ تو یہ کوئی خسارہ نہیں لفظ ہی لفظ ہے کیونکہ بالضرور اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت رہنیا کی (ان چیزوں کی وجہ پر) جبکہ وہ جنگ کر رہے ہیں (اور اسی کے لایحہ میں زندگی کو محظوظ رکھتے ہیں اور) الگرتم (ویسے ہی) فرمائی ہے کہ جو رب جنگ ایسے جاؤ گے اسی اوقات تو قصالتی نہیں درست اللہ کے پاس اسی کے پاس جنگ کے پاس جنگ کے جاؤ گے اسی اوقات تو قصالتی نہیں درست اللہ کے پاس جانیے کسی حال بچ جیں سکتے اور دین کی راہ میں ہر زیارت ایسا تو مجب مغفرت درحمت ۴ تو پھر ویسے مر نہیں دین کی راہ میں جادیتا ہے جس ایسے احوال نہیں میں موجہ ہے اسکے پس پر ہر لازم ۴۳)

فَيَسْأَلُهُمْ يَقْتَلُهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظِيلَةً
سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو توہنگ دل مل گیا اُن کو اور اگر تو ہوتا تند خوش سخت
الْقَلْبُ لَا نَفْضُوا مِنْ حَوْلِكَ صَفَاعَهُمْ عَنْهُمْ وَأَسْتَغْفِرُ لَهُمْ
دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سوچوں کو معاف کر اور ان کے دام سے بخشش نہیں

وَسَارُهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا أَعْزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ
اور ان سے مشورہ لے کام میں پھر جب قدر کر پکا تو اس کا تو پھر بھروسہ کر اللہ پر اللہ
اللَّهُ يَحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۶۵
کو مجتہ ہے توکل والوں سے ۔

رَبِّطَ آیات [اغزوہ احمد میں بعض مسلمانوں کی لغزش اور میدان چھوڑنے سے جو صدر اور غم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا تھا، اگرچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طبعی اخلاق اور عادات عفو و کرم کی بناء پر ان کو اس پر کوئی ملامت نہیں کی، اور کوئی معاملہ سختی کا بھی نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کے ساتھیوں کی دلخواہ اور ان کے دلوں میں اس غلطی پر جو صدمہ اور اپنے قصور پر جو ندامت تھی اُن سب کو دھوڑ دینا منتظر ہوا تو اس آیت میں آپ کو مزید لطف و کرم کی ہدایت اور صحابہ کرام پر معاملات میں مشورہ لینے کا حکم دیا۔

خلاصہ تفسیر

بعد اس کے رکھ صحابہ کرام نے ایسی لعنتیں ہوئی جس پر آپ کو ملامت اور مواجهہ کر لے کا حق تھا، خدا ہی کی رحمت کے سبد رج کر آپ پر ہے، آپ ان کے ساتھ نہیں بیے اور اگر آپ (خدانخواست) تند خوخت مراجح ہوتے تو یہ (بیچاۓ) آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے (پھر ان کو یہ نیوص و برکات کہاں نصیب ہوتے) تو رج ب آپ نے بتا دیں ایسی زمی فرمائی تو ان سے جو غلبی آپ کی تعیین حکم میں ہو گئی ہے اس کو دل سے بھی، ان کو معاف کر دیجئے را اور ان سے جو غلبی اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوئا ہی سے ہوئی اس کیلئے آپ ان کے لئے استغفار کیجئے (اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی معافی اور مغفرت کا اعلان پہلے ہی فرمادیا تھا مگر آپ کا ان کے لئے دعا مغفرت کرنا مزید ان کے لئے مفید اور موجب تسلی ہو گا) اور ان سے خاص خاص باتوں میں (بیڈ متور) مشورہ لینے کا یکجہے رہا کہ اس خصوصی لطف سے ان بھلوں سے غم دصل جائے، پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (کسی ایک جانب) رائے کو سمجھتے کر لیں رخواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہر یا ناالف) تو خدا تعالیٰ پر اعتماد رکر کے اس کام کو کر ڈالا (گریں بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے مجتہ رکھتے ہیں ۔

معارف و مسائل

صحابہ کرامؐ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور اپنی جان و مال سے زیاد مرشد و مربی کی خدمت کرنے والے تھے، ان سے جب آپؐ کے حکم کے خلاف ایک لغزش خاص صفات آپؐ کو عنزہ نہ رکھنے والے تھے، ان سے جب آپؐ کے حکم کے خلاف ایک لغزش صادر ہو گئی تو ہبہ ایک طرف تو یہ خطاہ تھا کہ ان حضرات کو جب اپنی لغزش اور خلاف ورزی حکم پر ثابت ہو تو ان کا صدر حد سے بڑھ جائے، جو ان کے قلب دماغ کو معطل کر دے۔

یارِ حست سے مایوس بنائے، اس کا علاج تو پھر آیت میں بتلا دیا گیا کہ فَإِذَا بَكَرُ عَمَّا يَنْهَا
اس لغزش کی سزا دنیا میں دی جائی ہے، آخرت کا کھاتہ بیان ہو گیا۔

دوسری طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس غلطی اور لغزش کے نتیجہ میں زخمی ہوتے، جس سے جہاں تکلیف بھی پہنچی، اور روحانی تکلیف تو پہلے ہی سے تھی، تو اس جہانی درود لغزش تکلیف سے یہ اختلاف تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں صحابہ کرامؐ کی طرف سے تکدر پیدا ہو جائے، جو ان کی بادیت و تلقین میں خل ہو جائے، اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دینا تھی کہ آپؐ ان کی خلاف سے درجہ درجہ فراریں، ان کی لغزش دل سے معاف کر دیں، اور آئندہ کے لئے بھی لطف و مہربانی کا معاملہ جاری رکھیں۔

اس مضمون کو حق تعالیٰ نے ایک عجیب غریب اسلوب بیان کے ساتھ ارشاد فرمایا، جس میں ضمیط طور پر چند اہم فوائد بھی آئے:

ایک پہلی صفت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کا حکم ایسے انداز سے دیا گیا ہے جس میں آپؐ کی شنا، و تعریف اور عظمت شان کا انہصار بھی ہے کہ یہ صفات آپؐ کے اندر پہلے سے موجود ہیں، اور دوسرا سے اس سے پہلے قیامت ارجمند کا لفظ بڑھا کر یہی بخلاف کہ ان صفات کمال کا آپؐ کے اندر ہوتا یہ ہماری رحمت سے ہے، کسی کا ذائقہ کمال نہیں پھر لفظ رحمت کو بصورت تکڑہ لا کر رسمت کے عظیم اور وسیع ہونے کی طرف اشارہ کر کے یہی واضح کر دیا کہ یہ رحمت صرف صحابہ کرام پر ہی نہیں، بلکہ نور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر بھی ہے کہ آپؐ کو ان صفات کمال کے ساتھ متصف فرمادیا۔

اس کے بعد ایک تیسرا اہم فائدہ بعد کے جلوں سے ظاہر فرمادیا، کہ یہ نرم خونی، خوش حنبلانی، عفو و دوگذرا اور لطف و مہربانی کی صفات اگر آپؐ کے اندر نہ ہوتیں تو اصلاح خلائق کا بوجہ کام آپؐ کے سپرد ہے وہ حسب منشار انجام نہ پاتا، لوگ آپؐ کے ذریعہ اپنی اصلاح اور تزکیہ حنبلانی کا فائدہ حاصل کرنے کے بجائے آپؐ سے بھاگ جاتے۔

اور اس سب مجموعہ سے ایک اور اہم فائدہ یہ حصل ہوا کہ ارشاد و اصلاح اور تبلیغ کے آداب اس سے حلوم ہو گئے، کہ جو شخص مرشد و بہایت اور دعوت الہ ارشاد و اصلاح خلق کے کام کا راہ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب رسولؐ کی سختی برداشت ہمیں ہو سکتی تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ تشدید اور کچھ خلق کے ساتھ خلق اللہ کو اپنے گرد جمع کرے، اور ان کی اصلاح کا فرض انجام دے سکے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپؐ تند خود، سخت طبیعت ہوتے تو لوگ آپؐ کے پاس سے منتشر ہو جلتے، اس سے معلوم ہوا کہ مرشد و مبلغ کے لئے تند خودی سخت کلامی، زہر اور اس کے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا **فَاغْفُ عَنْهُمْ**، یعنی ان سے جو خطأ ہو گئی ہے اس کو آپؐ معاوضہ فرمادیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی خطاوں کی انتقام نہ لے، بلکہ عفو و درگذر سے کام لے، بڑا کہنے والوں پر مشتمل نہ ہو، ایذا دینے والوں سے نرمی کا معاملہ کرے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا **وَآسْتَغْفِرْ لَهُمْ**، یعنی آپؐ ان کے لئے ارشد تعالیٰ سے بھی مغفرت طلب کریں، جس میں یہ ہدایت ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود ان کی ایذاوں پر صبر کریں، بلکہ دل سے ان کی خیرخواہی نہ چھوڑیں، اور جز کہ سب سے بڑی خیرخواہی ان کی آخرت کی درستی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے غایب بجانے کے لئے بخشش کی دعاء مانگیں۔

اس کے بعد ارشاد ہے **وَشَادِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**، یعنی حسب سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی یا کریں تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے، اس میں اس کی طرف ہدایت فرمائی گئی خیرخواہی کا داعیہ ان کے لئے قلب میں ہے عمل سے بھی اس کا اہلار کریں کہ اپنی مشاورت سے ان کو مشرف فرمادیں۔

اس پوری آیت میں مصلح و مبلغ کے لئے چند صفات کا ہزاہ ضروری قرار دیا گیا، اول سخت کلامی اور کچھ خلقی سے بچنا، و دوسرے ان لوگوں سے کوئی غلطی یا ان کے متعلق ایذا کی کوئی چیز صادر ہو جائے تو اس مقام کے درپے نہ ہزا بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ کرنا، تیسرا سے یہ کہ انکی خطاوں اور لغزشوں کی وجہ سے ان کی خیرخواہی نہ چھوڑنا، ان کے لئے دعا و استغفار بھی کرتے رہنا اور ظاہری مسلمانوں کی تھائیں سلوک کا معلم چھوڑنا، مگر آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؐ سے مشورہ لیئے کا حکم اور پھر مشورہ کے بعد طریق عمل کی ہدایت کی گئی ہے، مشورہ کے بارے میں قرآن کریم نے دو جگہ صریح حکم دیا ہے، ایک ہی آیت مذکورہ دوسرے سورہ شورہ کی آیت جس میں

پچھے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک سفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وَأَمْرُهُمْ شُورٰی بینہہد (۳۸:۳۸)، یعنی اور ان کا ہر کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے؛ اور بعض جگہ صرفی طور پر مشورہ کی ہدایت فرمائی ہے جیسے رضاعت کے احکام میں ارشاد فرمایا، عَنْ تَرَاضِيْقَنْهُمَا وَتَشَاؤْرٍ (۲۲۲:۲) یعنی پچھے کا درود چھڑانا مال اور رباپ رونوں کی رضامندی اور مشورہ سے ہونا چاہئے، مشورہ سے متعلق چند اہم مسائل قابل غور ہیں:-

پہلا مسئلہ لفظ امر اور مشورہ کے معنی، در شرائیلہ مشورہ کی شرعی جیشیت، تیرسا
مسئلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا درجہ، پہنچا مسئلہ، حکومت
اسلامی میں مشورہ کا درجہ، پہنچا مسئلہ، مشورہ میں اختلاف راتے ہو تو فصل کی صورت،
چھٹا مسئلہ ہر کام میں محل تدیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل۔

لطف امر اور شوری کی خیتن آتا ہے جو ہر ہم باثان قول و فعل کوشال ہے، دوسراءطلاق بمعنی حکم
اور حکومت ہے جس پر قرآن کریم میں لفظ اولی الامر مخول ہے، تیسراطلاق عن تعالیٰ کی ایک
محض سفت کے لئے ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی یہست سی آیات میں ہے مثلاً
الْأَكْدُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (۱۵۹:۵۴)، إِلَيْهِ يُوَجَّعُ الْأَمْرُ كُلَّهُ بِنَبِيٍّ (۲۲۲:۱)، أَمْرُهُ
إِلَيْهِ (۲۲۵:۲)، اور عققین کے نزدیک قُلِ الرُّؤْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ (۲۲۸:۱)، میں بھی یہی امر مراد
ہے، اب قرآن کے ارشاد و شاؤذ هفہفی الْأَمْر (۱۵۹:۳)، اور وَأَمْرُهُمْ شُورٰی بینہہد (۳۸:۳۸)، میں ورنوں
معنی کا احتمال ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے ہی معنی مراد ہیں اور دوسراے معنی بھی اس میں شامل
ہیں تو یہ بھی کچھ بجید نہیں، کیونکہ حکم اور حکومت کے معاملات ہمی خاص اہمیت رکھتے ہیں،
اس لئے امر کے معنے ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو، خواہ حکومت
سے متعلق ہر خواہ معاملات سے، اور لفظ شوری، مشورہ، مشادرت کے معنی ہیں کسی قابل غور
معاملہ میں لوگوں کی رائیں حاصل کرنا، اس لئے وَشَادِرَاهُمْ فِي الْأَمْرِ کے معنی یہ ہوئے کہ:
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ قابل غور معاملات میں جن میں حکومت
کے متعلقہ معاملات بھی شامل ہیں، صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں، یعنی ان حضرات کی
رائیں معلوم کیا کریں۔

اسی طرح سورہ مشوری کی آیت ۳: وَأَمْرُهُمْ شُورٰی بینہہم کے معنی یہ ہوتے کہ
ہر قابل غور معاملہ میں جس میں کوئی اہمیت ہو، خواہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا دروسے
معاملات سے، ان میں پچھے مسلمانوں کی عادت مسترد ہے کہ باہم مشورہ سے کام کیا کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ اس بارہ میں قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ اور احادیث نبوی سے معلوم
مشورہ کی شرعی جیشیت ہوتا ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں خواہ ودھکم و
حکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملے سے باہم مشورہ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اور صحابہ کرام کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعث برکات ہے، قرآن و حدیث میں اس کی تائید
آئی ہے، اور جن معاملات کا متعلق عوام سے ہے جیسے معاملات حکومت ان میں مشورہ لینا
واجب ہے۔ (ابن کثیر)

بیہقی نے شبہ الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ردایت کیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے
کرنے یا ذکر نے کا فصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مغاید صورت کی طرف
ہدایت مل جاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جب تم تھاں پرستی غالب آجائے کہ مجھے بُرے اور نافع و ضر
مالدار سنی ہوں، اور تم تھاں معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہو کریں، تو زین کے اوپر رہنا
تھاں پرستی لئے بہتر ہے، اور جب تم تھاں پرستی حکام بذریعہ افراد ہوں اور تم تھاں مالدار بھی ہوں،
اور تم تھاں معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زین کے اندر دن ہو جانا تھاں پرستی زندہ رہنے
سے بہتر ہو گا۔

مطلوب یہ ہے کہ جب تم پر خواہش پرستی غالب آجائے کہ مجھے بُرے اور نافع و ضر
سے قطع نظر کر کے محض عورت کی خوشنوری حاصل کرنے کے لئے اپنے معاملات اس کے
سپرد کر دو تو اس وقت کی زندگی سے تم تھاں پرستی لئے ہوتا ہے، ورنہ مشورہ میں کسی عورت
کی بھی راستے لینا کوئی منوع نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل سے
ثابت ہے اور قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی آیت جو ابھی بیان کی گئی ہے اس میں ارشاد ہے
عَنْ تَرَاضِيْقَنْهُمَا وَتَشَاؤْرٍ، یعنی بچھ کار و دردھ چھڑانا بآپ اور ماں کے باہمی مشورہ سے
ہونا چاہئے، اس میں چونکہ معاملہ عورت سے متعلق ہے، اس لئے خاص طور سے عورت کے
شورہ کا پابند کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

الْمُتَشَارُونَ مُؤْمِنُ اذَا التَّشَيْرٌ یعنی جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے
فَلَيُشَرِّعْنَاهُ مَا هُوَ صَانِعٌ لِنَفْسِهِ وہ امین ہے اس پر لازم ہے کہ اس معاملے
میں جو کام اور خود پختے لئے تحریر کرتا ہے وہی رکن دوسرے کو کہے اس کی خلاف کرنا خیانت ہے لا۔

و حدیث طبری نے چھم آدمیں بسند حسن بن سبزت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (منہلہ)۔
البتہ یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشورہ صرف انہیں چسبنے والی مسلمان ہے جن کے بارہ میں
قرآن و حدیث کا کریں واضح قطبی حکم موجود ہو، درستہ جہاں کریں قطبی اور واضح حکم شرعی موجود ہو
اس میں کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں بلکہ جائز بھی نہیں، مثلاً کوئی شخص اس میں مشورہ کرے
کہ ناز پڑھے یا نہیں، زکوٰۃ دے یا نہیں، اچ کرے یا نہیں، یہ مشورہ کی جزیں نہیں، شرعی
طور پر فرض قطبی ہیں، البتہ اس میں مشورہ کیا جاتی ہے کہ چ کو اس سال جائے یا آئندہ، اور
پانی کے جہاز سے جائے یا ہوائی جہاز سے، اور اپنی کے راستے سے جائے یا درسرے طرف سے۔
اسی طرح زکوٰۃ کے معاملے میں یہ نہیں دیا جاتا ہے کہ اس کو کہاں اور کیون پڑھ
کیا جاتے، کیونکہ یہ سب امور شرعاً اختیاری ہیں۔

ایک حدیث میں خود اس کی تشریح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (حضرت عین
کرم اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد
اگر ہمیں کوئی ایسا عاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحتہ قرآن میں نازل نہیں ہوا، اور آپ
بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد نہیں دیتا تو ہم کیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لئے اپنے لوگوں میں سے عبادت گزار فہمہ کو جمع کرو، اور
اکنہ سے اس کا فصلہ کرو، کسی کی تہذیبات سے نیصلہ نہ کرو۔

اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ صرف دینیوں معاملات
میں نہیں بلکہ جن احکام شرعیہ میں قرآن و حدیث کی صریح نصوص نہ ہوں ان احکام میں بھی
یہی مشورہ مسلمان ہے، اور درسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ ایسے لوگوں سے لینا چاہئے جو
موجودہ لوگوں میں تفہم اور عبادت گزاری میں معرب ہوں (اخراج الحلیب کذا فی الروح)
نیز خطیب بخداوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے،

إِشْتَرِيشْدُ وَالْعَاقِلُ وَلَا تَهْتَدُ
”یعنی عقلاً داری سے مشورہ لا اور اس
کے خلاف نہ کر دو، دنیا میں اعلان ہوگی
مَكْتَشِفٌ هُوَ!

ان دونوں حدیشوں کو ملائے۔ معلوم ہوا کہ بجاں شوراً کے ارکان میں دو صفت
ضروری ہیں، ایک صاحب عقل درستے ہوئے، دوسرے عبادت گزار ہونا، جس کا حاصل ہے
ذی راستے اور متفق ہونا، اور اگر مسئلہ شرعی ہے تو فہمہ ہونا بھی لازم ہے۔

تیسل مسئلہ، رسول کریمؐ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؐ
صلی اللہ علیہ وسلم کو حجا بر کرنا میں مشورہ لیں، اس میں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے مشورہ لیتے کا درجت اللہ تعالیٰ کے رسول اور صاحب دستی میں، آپ کو کسی سے مشورہ
کی کیا حاجت ہے، آپ کو ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی ہے، اس
لئے بعض علماء نے اس حکم مشورہ کو اس پر محول کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمشورہ
کی ضرورت سکتی، نہ اس مشورہ پر آپ کے کسی کام کا مارستھا، صرف صحابہ کرامؐ کے اعزاز اور
دل جزوی کے لئے مشورہ کا حکم آپ کو دیا گیا ہے، یکنہ امام ابو بکر جصاص نے فخر را یا کہ
یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ معلوم ہو کہ ہمارے مشورہ پر کوئی عمل نہیں ہوگا، اور نہ مشورہ کا کسی
کام پر کوئی اثر ہے تو پھر اس مشورہ پر کوئی دل جوئی اور اعزاز بھی نہیں رہتا، بلکہ حقیقت ایسی ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام امور میں تو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی
ایک طریقہ کا متعین کر دیا جاتا ہے، مگر بمقتضائے محکمت و رحمت بعض امور کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی راستے اور صوابید پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ایسے ہی امور میں مشورہ کی ضرورت
نہیں ہے، اور اسی قسم کے امور میں مشورہ لینے کا آپ کو حکم دیا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی جالیں مشاورت کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غرداً بذریعے صحابہ کرامؐ سے مشورہ لیا تو صحابہ کرامؐ
نے عرض کیا کہ اگر آپ ہمیں دریا میں کو دپڑنے کا حکم دیں تو ہم اس میں کو دپڑنے میں، اور
اگر آپ ہمیں برکت الغماد جیسے دور دراز مقام کی طرف چلنے کا ارشاد فرمائیں میں تو ہم آپ
کے ساتھ ہوں گے، ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور
آپ کا رب کفار سے مقابلہ کریں، بلکہ ہم یہ عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے
ساتھ آپ سے آگے اور پیچے اور داہیں بائیں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

اسی طرح غرداً اعدمیں اس بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا مرتبتہ شہر کے اندر رہ کر مدفعت
کریں یا شہر سے باہر نکل کر، عام طور سے صحابہ کرامؐ کی راستے باہر نکلنے کی ہوئی، تو آپ نے اس کو
تبول فرمایا، غرداً خندق میں ایک خاص معاملہ پر صلح کرنے کا معاملہ درپیش آیا، تو سوون
معاذیت اور سحدین عبادت نے اس محادیہ کو مناسب نہ بنتہ کر اختلاف کیا، آپ نے ابھی دونوں
کی ماکیں قبول فخر را یں، حدیثیہ کے ایک معاملہ میں مشورہ لیا تو عدالت آپنی راستے پر فیصلہ
فرمایا — قصہ ایک میں صحابہ کرامؐ سے مشورہ لیا، یہ سب معاملات وہ سنتے ہیں میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بذریعہ وحی کوئی خاص جانب متعین نہیں کی گئی تھی۔

خلاصہ ہے کہ نبوت درسالت اور صاحبِ دہی ہونا کچھ مشورہ کے منافی نہیں، اور یہ بھی نہیں کہ یہ مشورہ مخصوص نمائشی رحل جوئی کے لئے ہو، اس کا اثر معاملات پر نہ ہو بلکہ ہبہ مرتبہ مشورہ دینے والوں کی راستے کو آپ نے اپنی راستے کے خلاف بھی قبول فرمایا، بلکہ بعض امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بذریعو وحی کوئی خاص صورت متعین نہ فرمائے اور مشورہ لے کر کام کرنے میں حکمت وصلحات یہ سمجھی ہے کہ آئندہ امت کے لئے ایک سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے جاری ہو جائے کہ جب آپ کو بھی مشورہ سے استغنا ہے تو پھر ایسا کوئی ہے جو استغنا کا دعاویٰ کر سکے، اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرامؓ میں ایسے مسائل میں مشاورت کا طریقہ ہمیشہ جاری رہا، جن میں کوئی نص شرعی نہ تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ کرام کا بھی یہی معمول رہا، بلکہ بعد میں تو ایسے احکام شرعیہ کی دریافت کے لئے بھی مشورہ کا معمول رہا جن میں مستران و حدیث کا کوئی صریح فیصلہ نہ تھا، کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ کارتبلایا تھا۔

چوہما مسئلہ، حکومت اسلام | جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ فترآن کریم نے دو جگہ مشورہ میں مشورہ کا درجہ کیا ہے | کا صریح حکم دیا ہے، ایک یہی آیت مذکورہ اور دوسرے سورة شورہ میں کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی سنات بیان کرتے ہوئے، ایک سنت یہ بیان فرمائی گئی ہے، وَأَمْرُهُمْ شَوَّدِيَ بَنِتَ هَلْمٌ (۲۸:۲۲) یعنی ادران کا کام آپس کے مشوہد ہوتا ہے ان دونوں جگہ پر مشورہ کے سامنے لفظاً امر مذکور ہے، اور لفظ امر کی مفصل تعریف اور پرہیان ہوچکی ہے کہ ہر ستم باثنان قول کو بھی کہا جاتا ہے، اور حکم اور حکومت کے لئے بھی بولا جاتا ہے، امر کے خواہ معنی اول مرادیں یاد دسرے معنی، حکومت کے معاملات میں مشورہ لینا بہر صورت ان آیات سے ضروری معلوم ہوتا ہے، حکم یا حکومت مرادیت کی صورت میں تو ظاہر ہی ہے، اور اگر معنی عام لئے جائیں جب بھی حکم اور حکومت کے معاملات میں فرانص میں باثنان ہوتے کی جیتیں سے قابل مشورہ نہیں گے، اس لئے امیر اسلام کے فرانص میں سے ہے کہ حکومت کے اہم معاملات میں اہل حل و عقد سے مشورہ لیا کرے، فترآن کی آیات مذکورہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتے راشدین کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے۔

ان دونوں آیتوں میں جس طرح معاملات حکومت میں مشورہ کی ضرورت واضح ہوں اسی طرح ان سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اصول بھی سچے

آئی، کہ اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے، جس میں امیر کے انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے، خاندانی رہاثت سے نہیں، آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا آنا جا چکا ہے، شخصی بادشاہیں بھی طوغا و کرپا اسی طرف آرہی ہیں، لیکن اب سے چورہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مذکور دیکھئے جبکہ پوری دنیا پر آج کے تینی بڑوں کی جگہ دو بڑوں کی حکومت تھی، ایک کترنی، دوسرا قیصر اور ان دونوں کے آئین حکومت شخص اور رہاثی بادشاہی ہونے میں مشترک تھے، جس میں ایک شخص واحد لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت مسلط ہے نہیں، بلکہ رہاثت کے ظالمانہ اصولوں کی بنا پر حکومت کرتا تھا، اور انسانوں کو پاتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی اتفاق بھجا جاتا تھا، یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا، مگر یوں میں جہوریت کے چند و مددے اور تمام نقوش پا سے جاتے تھے، لیکن وہ بھی اتنے نقص اور مذہم تھے کہ ان پر کسی ملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا، اسی درج سے جہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کسی کوی مسٹر کوئی حکومت نہیں بن سکی، بلکہ وہ اصول از سطو کے نلف کی ایک شاخ بہر کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں رہاثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے اپر ملکت کا عزل و نصب جہور کے خستیاں میں دپریا، جس کو وہ اپنے شاہد دل اہل حل و عقد کے ذریعہ سے تعامل کر سکیں، بادشاہ پرستی کی ذلائل میں سچنی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی، اور یہی روح ہے اسی طرز حکومت کی، جس کو آج جہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ طرز کی جہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم و ستم کے زد عمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق احناک بناؤ کر پورے آئین حکومت اور قانون ملکت کا ایسا آزار مالک بنایا کہ ان کے قلب داغ زمین و آسان اور تمام انسانوں کے پیداگر لے والے خدا اور اس کی اصل مالکیت و حکومت کے تصور سے بھی بیگناہ ہو گئے، اب ان کی جہوریت خدا تعالیٰ ہی کے بخشنے ہر سے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائدگرہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلاف انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خلیل خدا کو کترنی و قیصر اور دسری شخصی بادشاہتوں کے جبرا استبداد کے پنجے بنجات دلائی، اسی طرح ناخداآشنا مغربی جہوریتوں کو بھی خدا شناسی، اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا، اور بتلایا کہ ملک کے حکام ہوں، یا عوام، خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابندیں، ان کے عوام اور عوامی اہمیت کے ہمیشیاں، قانون سازی، عزل و نصب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ عدو دے کے اندر ہیں، ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور

پھر عہد دل اور منصبوں کی تقیم میں ایک طرف تابیعت اور صلاحیت کی پوری ریاست کریں تو دوسرا طرف ان کی ریاست و امانت کو پرکھیں، اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، تقویٰ، ریاست، امانت، صلاحیت، اور سیاسی پھر میں بے پست ہو، امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں، بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے، قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عمل ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

لَا يَخْلُقَ إِلَّا عَنْ مَسْتُوْرَةٍ | **لَئِنْ شَوَّهَتْ كَيْفَيَةَ إِلَاعِنْ**

رکنِ العمل بجز الہ ابن ابی شيبة

شورایمت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لئے اساسی اور بنیادی چیزیت ہے، جس کو اگر امیر ملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے، یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔

ذَكَرِ ابنِ عَطِيَّةِ أَنَّ الشُّورَى **أَنَّ الشُّورَى**
کے قواعد و بنیادی اصولوں میں ہے،
مِنْ قَوَاعِدِ الشُّورَى يُعَلَّمُ وَعَزَّازُهُمْ
جو امیر کے اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ
الْأَنْحَكَامُ وَمَنْ لَا يَسْتَشِدُ إِلَّا فَلَعْنَاهُ
لے، اس کا عزل کرنا داجب ہے، اور یہ ایک ایسا
مشاجع جس میں کس کا اختلاف نہیں؟
رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَعَزَّلَهُ وَلَعِبَ، هَذَا مَا لِلْإِخْلَالِ

مشورہ کے ضروری ہوئے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر چوریات اور بركات حمل ہوں گے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کو رحمت سے تحریر فرمایا، ابھن عذری اور تبریقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس مشورہ کی حاجت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لئے ایک رحمت بنا یا ہے ربانی اہلسازان،

مطلوب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو پنے رسول کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا، کسی کا میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چورتا، لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ آپ کے ذریعے مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے، اس نے بہت سے امور ایسے پھوٹرا، یعنی جن میں صراحت کرنی وحی نازل نہیں ہوتی، ان میں آپ کو مشورہ لینے کی بایت فرمائی گئی۔

پانچواں مسئلہ: مشورہ میں مشرویں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آجکل کے پاریانی اصول اختلاف رائے ہو جائے، تو پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہو گا، یا اس کو اختیار ہو گا فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟ کراکثریت ہو یا قلیلت جس طرف دلائل کی قوت اور ملکت کی مصلحت زیادہ لفڑا کے اس کو اختیار کرے، قرآن و حدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عامل سے یہ امر ثابت نہیں ہے تاکہ اختلاف رائے کی صورت میں آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافتے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عمل ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

آیت مذکورہ میں غور فرمائیے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا سکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے قَدْ أَعْرَفْتُنَّ نَفْسَنِيْنَ عَلَى اللَّهِ، یعنی مشورہ کے بعد آپ جب کسی جانب کرٹے کر کے عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے، اس میں عزمت کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسوب کیا گیا، عزمت نہیں فرمایا جس سے عزم و تنفیذ میں صحابہؓ کی شرکت معلوم ہوئی، اس کے اشارہ سے ثابت ہو ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معہتر ہے، حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبد اللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوئی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے، حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہؓ موجود ہوتے تھے، جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین سدیق اکبرؓ اور فاروق عظیمؓ کی رائے کو تھبہر صحابہؓ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے، حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لئے نازل ہوئی، — حاکم نے ستدرک میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی میں روایت کیا ہے:

عَنْ أَبْنَى عَبَّارِيْنِ إِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى
رَوْشَادُهُمْ فِي الْأَكْمَرِ، قَالَ
أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، رَأَى كُثِيرٌ
مِنْ

خوبیں را دیدیں درسوائی خوبیش
امتحانِ ما ممکن اے مشاہدہ بیش

کلپی کل روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے،
عَنْ أَبْنَى عَبَّارِينَ قَالَ تَزَكَّيَ فِي الْأَيَّلِهِ
وَعَمَرَ وَسَلَّمَ كَانَا حَوَارِيَيْتَهُ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرْيَرِيَيْهُ
وَابْنِي الْمُسْلِمِيْنَ

(ابن کثیر)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؑ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا،
لِوَاجْمَعُتُمُّكُمْ مَشْوَرَةً مَا خَالَ فَتَنَّكُمْ
تَبَّبَّتْ تَمَدُّذَتْ دُوْنَكُمْ كَمْ رَأَيْتُمْ هُرْجَاؤْ
رَأَيْتُمْ كَثِيرَ حِوَالَهُ مَسْدَنَ أَحْمَدَ (توہین کم دو فون کے خلاف نہیں کرنا)

ایک لشکال اور اس کا جواب | سیاہ یا ارشکال کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو ہمپوریت کے منافی ہے،
اور شخصی حکومت کا طرز ہے، اور اس سے ہمپور کو نقصان پہنچان پہنچانے کا اندریشہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی روایت پہلے کری ہے، کیونکہ عوام کو یہ ختیار
ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں ایمپریاں بلکہ ان پر لازم فسروار دیا ہے کہ علم و عمل اور صلاحیت کا و
اور خصائری اور دیانت کی رویے جس شخص کو سب سے بہتر کہیں صرف اس کو ایمپریا م منتخب کریں
تو جس شخص کو ان اعلیٰ اوصاف اور اعلیٰ صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو، اس پر ایسی پابندیا
عائد کرنا جو بدرویانست اور فساق، فحار پر عائد کی جاتی ہیں، عقل و انصاف کا خون کرنا، اور کام
کرنے والوں کی ہمت نہ کرنی اور نمک و مملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مراتف ہو گا۔

چھٹا مسئلہ: ہر کام میں اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غوبی ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے
مکمل تدبیر کرنے کے بعد اسہم امور میں تدبیر اور مشورہ کے احکام کے بعد یہ بیان دی گئی ہے
تعالیٰ پر تو سخن کرنا کہ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کر د تو
اپنی عقل و راستے اور تدبیریں پر بھروسہ نہ کر د بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو، کیونکہ یہ
سب تدبیر برالامور کے تبعیہ قدرت میں ہیں، انسان کیا اور اس کی راستے و تدبیر کیا،
ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں داتقات میں ان جیزوں کی رسالی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے،
مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے

خوبیں را دیدیں درسوائی خوبیش
امتحانِ ما ممکن اے مشاہدہ بیش

اس جملہ فی اذ اعزَّتْ فَتَوَسَّلَ عَلَى اللَّهِ سَعَى بِهِ رَاضِيَّهُ تَوَكَّلَ تَرْكِيْبِ اسباب
اور ترکِ تدبیر کا نام نہیں بلکہ اس باب تدبیر کو چھوڑ کر تو سکل کرنا سنت انبیاء اور تعلیم قرآن
کے خلاف ہے، ہاں اس باب بھیہ اور دور از کار فکر دل میں پڑھے رہنا یا صرف اس باب
اور تدبیر ہی کو موثر بسمح کر مسبب اس باب اور تدبیر الامور سے غافل ہو جانا بے شک
خلاف تو سکل ہے۔

إِنْ يَنْصُرُ كُمْ أَلَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَعْذِلْكُمْ فَمَنْ ذَا
عَزَّ شَهَادَتِي مَدْكُرَيْتَهُ مَعْنَى مُرْغَبَتِيْتَهُ بَعْدَهُ مَعْنَى مُرْغَبَتِيْتَهُ
الَّذِي يَنْصُرُ كُمْ مَنْ بَعْدَهُ وَعَلَى اللَّهِ فَلَيْتُو سَكِّلَ الْمُوْمِنُونَ
جو دو کریے تھاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے مسلمانوں کو
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغْلِبَ دَوْمَنْ يَغْلِبُ يَأْتِ بِمَا عَلَى يَوْمَ الْقِيَمَةِ
اور بھیں کا کام نہیں کر پھیا رکھئے اور جو کوئی چھپا و بھجا وہ لائے گا اپنی چھپائی جیزوں قیامت کے
شَرَرَوْفِيْنِ كَلِّ نَفْسٍ مَا كَبِيْتَ وَهُمْ لَا يُغَلِّمُونَ
پھر پورا پادے گا ہر کوئی جو اس نے کیا ہے اور ان پر ظلم نہ ہو گا کیا ایک شخص
أَتَبَّعَ رَضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاعَ بَسْطَحَطَ مِنَ اللَّهِ وَمَا وَلَهُ جَهَنَّمُ
جوتائیں ۴۷ اللہ کی رضی کا برابر ہو سکتا ہے اس کے جس نے کیا غاصہ اللہ کا اور اس کا مغلانا دوڑخ ہے
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ
اور کیا ہیں بُری جگہ پہنچا ہے وگوں کے مختلف درجے میں اس کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ
يَسَّرَأْعَمَلُونَ
کرتے ہیں اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں
فِيهِمْ رَسُوا لَمَنْ أَنْفَسِهِ رَيْلَوْ عَلَيْهِمْ رَأْيَتَهُ وَيُرِيْكَهُمْ
رسول اپنی میں کا پڑھتا ہے ان پر آپسیں اس کی اور اپنے کرتا ہو انکو یعنی شرک عجز
وَيَعْلَمُهُمْ لِكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ لَكَفِيْ ضَلَّلٍ
سے اور سخلا ہا ہے ان کو کتاب اور کتاب کی بات اور وہ تو سطے سے صریح گراہی میں
مُبَيِّنٌ
تحت سیاچس وقت پہنچی سن کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا پکھے ہو اس سے دوچند

فَلَدْنَمْ رَأَتِي هُنَّا قَلْهُو مِنْ عَنْدِي أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ
تُوكِبَتِ بُرْيَکِبَانَ سَعَى تُوكِبَسَ بِمَكْلِبَتِ تُوكِبَسَ كُبَيْنِي تَحْمَارَبِی بِی طَرَفَ سَعَى تُوكِبَشَ هَرَجِنَزَ
شَنْغَ قَلْرِیزَ^{۱۳} وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ جَمِيعَ الْمُوْمِنِينَ^{۱۴}
پَدَ قَادَرَ سَعَى اور جو کچھ کم کر پڑیں آیا اس دن کر میں دو فریض سوادِ اللہ کے حکم
اللَّهُ وَلَيَعْلَمُ الْمُوْمِنِينَ^{۱۵} وَلَيَعْلَمُ الَّذِينَ نَّا فَقَوْا^{۱۶}
سَعَى اور اس دا سط کے معلوم کرے ایمان والوں کو اور تاک معلوم کرے ان کو جو منافق تھے ،
وَقَلْ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ اذْفَعُوا طَقَالُوا
اور کپا علیا ان کو رکاذ لردِ اللہ کی راہ میں پادخون کر دیں کو بدلے
لَوْنَعْلَمْ قِتَالًا لَا اتَبْعَنْكُمْ وَهُمْ لِلْكُفَرِ يَوْمَئِنْ أَفَرَبْ
اگر ہم کو معلوم ہو رہا تھا تو اپنے تھماں سے سامنہ رہیں وہ لوگ اس دن کفر کے قریب ہیں
يَمْنَهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ يَا فَوَاهِمْ مَمَالِيسَ فِي قُلُوبِهِمْ ط
پتسبت ایمان کے کہنے ہیں اپنے مٹکے سے جو نہیں ان کے دل میں
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْسِمُونَ^{۱۷} أَلَّنِي قَاتِلُوا إِخْرَاهِمْ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو جھاتے ہیں دو لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو
وَقَعْدَ وَالَّوْ أَطَاعُونَ امَا قَاتِلُوا طَقَلَ قَادِرَعَوْ اَعْنَ اَنْفِسِكُمْ
اور آپ بیٹھتے ہیں اگر دھماری بات مانتے تو اسے نہ جلتے تو کہہ دے اب ہشاد بھجو اپنے اوپرے
الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صِلِّي قِيَمَ^{۱۸} وَلَاتَحْسِبَنَ الَّذِينَ
موت کو اگر تم سمجھو اسے جو نہیں ان لوگوں کو

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالَ اَطَابَتِي أَحْيَاءَ عَنْدَ رَبِّهِمْ
بُو ما رے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے باس
يَرْزَقُونَ^{۱۹} فَرَحِيْنَ بِمَا اتَهُمْ اِنَّ اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ لَا وَ
محاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اٹھانے اپنے نسل سے اور
يَسْتَبِيْسُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ حَلْفِهِمْ
خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے بھیجے سے

الْأَنْجُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَعْزَزُونَ^{۲۰} يَسْتَبِيْسُونَ بِنِعْمَتِ
اس دا سط کے دل کے آن پر اور نہ آن کو عنم خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی
مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَآنَ اللَّهَ لَا يُضْيِعُ أَجْرَ الْمُوْمِنِينَ^{۲۱}
ندت اور نضل سے اور اس بات سے کہ اللہ شائع نہیں کرتا مزدوری ایسا ہی والوں کی
رَبِطَ آیات راقعہ آیہ میں عارضی شکست اور مسامن کی پریشان پر حضرات صحابہ کرام کی
اتسل کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند امور کا حکم ہوا تھا جس سے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا خطرو توزیک ہو گیا، لیکن ان حضرات کو اس دافعہ مغلوبیت سے
حضرت بھی سختی، اس نے متذکر بلالا بارہ آیات میں سے پہلی آیت میں ان کی حسرت مغلوبیت
کو دل سے اٹارتے ہیں، نیز پدر کے روز مالی خدمت میں ایک چادر گلہ ہو گئی، بعض کم سمجھیا تھا
لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو، اور یہ امر حقیقت یا صورۃ خیانت
ہے، نہیں کی شان اس سے منزہ ہے، اہزاد و میری، تیسری اور چوتھی آیات کے اندر جناب سول
مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان صفت امامت اور اس خیال کی غلطی کو بیان کر کے پانچوں
آیت کے اندر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجہ با جو دکان نعمت عظیٰ ہونا اور آپ کی بعثت کی
انسانیت کے لئے احسان عظیم ہونا واضح فرمایا گیا ہے۔

چونکہ مومنین کو اس شکست کی سخت کلفت سختی کہ اب جو دسمان ہونے کے یہ
صیبیت کیوں اور کہ ہر سے آگئی، اس پر صحابہ کرام کو تعجب اور افسوس تھا نیز منافقین کیا
کرتے تھے کہ اگر یہ لوگ گھروں میں بیٹھے رہتے تو ہلاک نہ ہوتے، اور ان شہداء کی موت کو
ہنسی اور مزدی و متراد دیتے تھے، اس نے چھٹی، ساقوں، اور آنھوں آیات کے اندر
دوسرے عنوان سے اس عارضی صیبیت و تکلیف کی علت و حکمت واضح فرمائی گئی، اور اس
کے ضمن میں منافقین کی تردیدیں ہیں۔

اور نویں آیت میں ان کے غلط عقیدہ و گھسروں میں بیٹھے رہنا بلا کست سے بچات
کا سبب ہے تردید کی گئی، اور دسوں، گیارہوں اور بارہوں آیات میں حضرات شہداء کرام کی
اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور حیات حقیقتہ اور دامنِ نعمتوں کا اثبات فرمادیا گیا ہے:

خلاصہ تفسیر

اگرتن تھا اسی اساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر سماں اساتھ
خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے بھیجے سے

ندیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھی نے زاد رحم کو غالب کر دے، اور صرف اللہ تعالیٰ پڑائیں والوں کو اعمدہ رکھنا چاہئے، اور نبی کی یہ شان ہمیں کہ وہ رحمۃ بالشد (خیانت کرے حالانکہ رخائن کی تو قیامت میں رسولی اور فتحیت ہو گی، کیونکہ) جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی اس خیانت کی تذلیل چیز کو قیامت کے دن (میدانِ شہر میں) حاضر کرے گا (تاکہ سب خلائق مطلع ہوں! اور سب کے ردد بر فتحیت اور رسالت میں بھر) (میدانِ قیامت کے بعد) ہر شخص کو (اُن خائنوں میں سے) اس کے کئے کا (دو ذرخ میں) پورا عرض ملتے گا، اور ان پر بالکل ظلم نہ ہو گا (کہ جرم سے زائد سزا ہونے لگے، غرض خائن تو مغضوب اور محقیق ہمہ ہوا، اور انہیا علیہم السلام بوجو رضا جوئی نے کے قیامت میں سر بلند ہوں گے لیں دنوں امر جمع ہمیں ہو سکتے، جیسا آگے ارشاد ہے) (سوایا شخص جو رضاۓ حق کا نالج ہو ذمہ نہیں کیا) اداہ اس شخص کے مثل ہو جائے گا جو کہ غصبِ الہی کا مستحق ہو اور اس کا تحکماً ناد ذرخ ہو، (یعنی خائن) اور وہ جانے کی بُری میں جگہ ہے (ہرگز دنوں برا برسیں ہوں گے بلکہ) یہ مذکورین دلیلِ مذہبیانِ رضاۓ حق اور مغضوبین درجات میں مختلف ہوں گے انشد تعالیٰ کے نزدیک (کہ متعجبِ غبوب جنتی ہے اور مغضوب دوزخی ہے) اور اللہ تعالیٰ غبوب دیکھتے ہیں اُن کے اعمال کو (اس لئے ہر ایک کے مناسب معاملہ فرمادیں گے،) حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر (بڑا) احسان کیا، جب کہ ان میں اپنی کل جنس سے ایک ایسے (عقلیم اشان) پیغمبر کو بھیجا کر وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آئیں (اور احکام) پڑھ پڑھ کر سنبھالنے ہیں اور (ظاهری اور باطنی مگنڈیوں سے) ان لوگوں کی سنبھال کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب (الہی) اور سبحمد کی بائیکیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیغین یہ لوگ را اپ کی بعثت کے، قبل سے صریح غلبی (یعنی شرک و کفر) میں (مبستلا) نہیں اور جب (اُحد میں) سختاری الیس ہار ہوئی جس سے دو گناہ (بدر میں) جیت پچھے نہیں رکیونکہ اُحد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بدر میں ستر کافروں کو قید اور مشر کو قتل کیا تھا، تو کیا اپنے وقت میں تم رطب راعرض نہ ہیں بطور تعجب کے) یوں کہتے ہو کہ ربا و جود ہمارے مسلمان ہونے کے ایسے (ہار) کہ میرے ہوئی (یعنی کیوں ہوئی) آپ فرمادیجے کہ یہاں تمہاری طرف سے ہوئی (اگر خضرصعلی اللہ علیہ وسلم کی راستے کے خلاف نہ کرتے تو نہ ہارتے، کیونکہ اس قید کے ساتھ دعاۃ نصرت ہو چکا تھا) بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے (جب تم نے اطاعت کی اپنی قدرت سے تم کو غالب کر دیا اور جب خلاف کیا اپنی قدرت سے تم کو مغلوب کر دیا) اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دنوں گروہ رسمانوں اور کفار کے، باہم مقاولہ کے لئے، مقابلہ ہوئے،

(یعنی اُحد کے دن) سورہ مصیبت، خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی کیونکہ جنہوں رحمہ کو محیتیں تھیں جن کا بیان اور بھی آپکا ہے، اور زان میں سے یک محکمت پہنچتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو بھی وہیں دیکھو کہ مصیبت کے وقت اخلاص وغیرہ اخلاص ظاہر ہو جائے گا (یہاں اگر بھی چکا ہے،) اور ان لوگوں کو بھی دیکھو لیں جو ہوئے نے نفاق کا بڑا ذمہ کیا اور ان سے رشروع جنگ کے وقت جبکہ تین سورہ آیوں نے مسلمانوں کا ساتھ پھوٹ دیا تھا جیسا کہ پہلے آپکا ہے ایوں ہماں یا کر (میدانِ جنگ میں) آؤ (پھر ہم سے ہو تو) اندھی راہ میں لانا بارہ بہت نہ ہو تو گفت ہی بڑھا کر (دشمنوں کی مدافعت کرنا) (کیونکہ بہت سی بھیڑ دیکھ کر کچھ تو ان پر رعب ہو گا اور اس سے شاید ہرث بادیں) وہ بولے کہ اگر ہم ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے رہیں کیونکہ یہ کوئی لڑائی ہے کہ وہ لوگ تم سے تین چار گئے زیادہ پھر ان کے پاس سامان ہمیں زیادہ ایسی حالت میں لڑانا ہلاکت میں پڑتا ہے، لڑائی اس کو نہیں کہتے، حق تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ منافقین اس روز رجکہ ایسا خشک جواب دیا تھا) کفر سے (ظاہر ہیں) نزدیک تر ہو گئے، پہنچت اس حالت کے کہ وہ (پہلے سے ظاہر ہیں) ایمان سے (کسی فتڑا) نزدیک تھے (کیونکہ پہلے سے گودہ دل ہے نومن نہ تھے مگر مسلمانوں کے سامنے مدافعت کی بائیں بناتے رہتے تھے، اس روز ایسی طوطاچی سی غائب ہوئی کہ کھلیم کھلا مخالفت کی بائیں مُسْرَے نکلنے لگیں، اس لئے پہلے سے جو ظاہری قرب ایمان کے ساتھ تھا وہ کفر کے قرب میں تبدیل ہو گیا، اور یہ قرب اس قرب سے زیادہ اس لئے ہے کہ مدافعت کی بائیں دل سے نہیں، اس لئے زور دارہ سمجھیں، اور یہ مخالفت کی بائیں دل سے تھیں اس لئے عبارت بھی زور دارہ سمجھیں، یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بائیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں (یعنی دل میں تو یہ ہے کہ ان مسلمانوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گو) لڑائی ڈھنگ ہی کی کیوں نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں (اس لئے ان کے اس قول کا غلطہ ہے) اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، یہ ایسے لوگ ہیں کہ (خود تو چار میں شریک نہ ہوئے اور) اپنے دہم نسب (بھائیوں کی نسبت) (جو کہ مقتول ہو گئے، مگر دلوں میں) پہنچتے ہوئے باہیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے رہیں ہمارے منع کرنے پر نہ جاتے (تو ربے نامہ) قتل نہ کئے جاتے، آپ فرمادیجے کہ اچھا تو اپنے اور پرے موت کو ہشاؤ اگر تم راس خیال میں اپنے ہو رکہ میدان میں جانے سے ہی ہلاکت ہوئی ہے، کیونکہ قتل سے بچنا تو موت ہی سے بچنے کے لئے مقصود ہے جب وقت مقرر پر موت گھر مٹھے بھی آجائی ہے تو قتل بھی وقت مقرر نہیں مل سکتا، اور راے میا طب، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کئے گئے ان کو را اور مردوں کی طرح، مردہ مست

خیال کر بلکہ وہ توگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں (اور) اپنے پروردگار کے مقرب رینیں مقبول ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے (اور) وہ خوش ہیں اس جیزے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے لپے فضل روکرم (عطا فرمائی) (مثلاً درجات قرب و خود یعنی رزق ظاہری بھی ملتا ہے اور رزقی معنوی یعنی مسرت بھی)، اور (جس طرح وہ اپنے حال پر خوش ہیں اسی طرح) جو توگ (ایک دنیا میں زندہ ہیں اور) ان کے پاس ہمیں پیچے رہ لے گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ رشید اور خوش ہوتے ہیں کہ اگر وہ بھی شہید ہو جاویں توہاری طرح (ان پر بھی کسی طرح کا خوف دانع ہونے والا نہیں اور نہ وہ کسی طرح) غرض ان کو دو خوشیاں حصل ہوں گی، ایک اپنے متعلق، دوسرے اپنے متعلقین کے متعلق، آگے ان دونوں خوشیوں کا سبب یہ بتایا کہ) وہ داپتی حالت پر تو خوش ہوتے ہیں بوج نعمت و فضل غداوندی کے رجس کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا (اور دوسروں کی حالت پر خوش ہوتے ہیں) اس وجہ سے کہ روہاں جا کر مشاہدہ کر لیا کہ) اللہ تعالیٰ اہل ایمان رکے اعمال اکا اجر ضائق ہمیں گرتے تو جو لوگ ان کے متعلقین پیچے رہ گئے ہیں اور نیک اعمال چیاد وغیرہ میں گئے ہیں ان کو بھی اپنے ہی انعامات ملیں گے)۔

معارف و مسائل

آئیہ مَا كَانَ لِتَنْتَيْ أَنْ تَيْغُلُ، ایک خاص واقعہ کے متعلق مال غیرت میں چوری ہنا وغیرہ ہے آئی ہے، اس کے ضمن میں غلوں، یعنی مال غیرت کی چوری کا مسئلہ بھی آگیا۔

واقعہ حسب روایت ترمذی یہ ہے کہ غزوہ بدر میں مال غیرت میں ایک چادر گم ہو گئی، بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو، یہ کہنے والے اگر منافق تھے تو کوئی بعد بات نہیں، اور ممکن ہے کہ کوئی ناسیحہ مسلمان ہی ہو تو اس نے یہ سمجھا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کا خہتیار ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں نسلول کا گناہ عظیم ہونا اور قیامت کے روز اس کی سزا کے شدید کا ذکر ہے اور یہ کہ کسی بھی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ اس نے یہ گناہ کیا ہو گا ہنسایت ہیوہ جسارت ہے کیونکہ انہیاً ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

لفظ غلوں مطلق خیانت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور خاص کر مال غیرت کی خیانت کے لئے بھی اور مال غیرت میں چوری اور خیانت کا جرم عام چوریوں اور

خیانتوں سے زیادہ اشد ہے ایکو نکہ مال غیرت میں پورے شکر اسلام کا حق ہوتا ہے تو جس نے اس میں چوری کی اس نے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی چوری کی، اگر کسی وقت اس کو تلافی کا خیال بھی آؤے تو بہت مشکل ہے کہ سب کو ان کا حق پہنچائے یا معاف کرائے، بخلاف دوسری چوریوں کے کمال کا مال معلوم و تعین ہے، کسی وقت اللہ نے تو یہ کی توفیق دی تو اس کا حق ادا کر کے یا معاف کر اکر بڑی ہو سکتا ہے، یہی وجہ تھی کہ ایک غزہ میں ایک شخص نے اورن کا کچھ حصہ چھپا کر اپنے اس رکھ لیا تھا، مال غیرت تقسیم ہونے کے بعد اس کو خیال آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا آپ نے باوجود رحمۃ تعالیٰ میں ہونے اور انت پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہونے کے اس کو یہ کہہ کر داپس کر دیا کہ اب میں اس کو کس طرح سارے شکر میں تقسیم کروں، اب تو قیامت کے روز یہ تم اس کو لے کر حاضر ہو گے۔

اسی لئے غلوں کی سزا بھی عام چوریوں سے زیادہ اشد ہے، کہ میدان حشر میں جہاں ساری غلوں بیٹھ ہو گی، سب کے سامنے اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا کہ جو مال چوری کیا تھا وہ اس کی گردان پر لدا ہوا ہو گا، صحابین میں برداشت حضرت ابو ہریرہؓ نہ کو رہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردان پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو راریہ اعلان ہوتا ہو کہ اس لئے مال غیرت کا اونٹ چڑایا تھا، وہ شخص اگر مجھ سے شفاعت کا طالب ہو گا تو میں اس کو صاف جواب دے دوں گا کہیں نہیں جھمگی ہی پہنچا دیا تھا اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اش چکا سے یہ میدان حشر کی رسوا ایسی ہو گی کہ بعض روایات میں ہے کہ جن کے ساتھ یہ معاملہ ہو گا کہ تمباکریں گے کہ ہمیں جہنم میں بھی بدیا جائے مگر اس رسوا ایسے بچ جائیں۔

اموال اوقاف اور سرکاری ایسی حوال مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے جس خزانہ میں چوری بھکر غلوں ہے میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے، اگر معاف بھی کر لے تو کسی کس سے معاف کرائے، اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانے (بیت المال) کا حکم ہے، ایکو نکہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے، جو اس میں چوری کرے اس نے سب کی چوری کی، مگر حینکہ سبی اموال عمومی ہیے ہوتے ہیں جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا، مگر ان کر لے والے بے پرواہی کرتے ہیں، چوری کے موقع بکثرت ہوتے ہیں، اس لئے آجکل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت اسی اموال میں ہو رہی ہے، اور توگ اس کے انجام بدل اور دہال عظیم ہے غافل ہیں اگر اس مجرم کی سزا علاوہ عذاب پڑھم کے میدان حشر کی رسوا ایسی ہے، اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی رنجو زد بالشہر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود آئیت لفظ منع اللہ علی المؤمنین آیت اسی مضمون کی پوری انسانیت پر سب سے بڑا احسان ہے ایک آئیت تقریباً اہنی الفاظ کے ساتھ سورہ بعثۃ میں مذکور چکی ہے جس کی تفسیر و تشریح تفصیل کے ساتھ معارف القرآن جلد اول صفحہ ۳۲۹ میں آپکی ہے، اس کو دیکھ لیا جائے، یہاں آیت میں ایک لفظ ذرا نامہ ہے، لفظ من اللہ عزتے المؤمنین، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبووث فرمائی تھا ان نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

اس کے متعلق پہلی بات تو یہ قابل غور ہے کہ فترآن کریم کی تصریح کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں اور ہم یہ عالم کے لئے آپ کا وجود نعمت کرنی اور احسان عظیم ہے، اس جگہ اس کو صرف مومنین کے لئے فرمانا ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم کو ہن تھی تلمذتی فرمانا کہ فترآن کا سارے عالم کے لئے پدایت ہو نادوسری آیات سے ثابت ہے، مگر بعض جگہ اس کو متفقین کے ساتھ مخصوص کر کے بیان فرمایا، اس کی وجہ دونوں جگہ مشترک ملود پر ایک ہی ہے کہ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود سارے عالم اور ہر مومن و کافر کے لئے نعمت کرنی اور احسان عظیم ہے اسی طرح فترآن کریم سارے عالم انسانیت کے لئے صحیحہ ہدایت ہے، مگرچہ کہ اس نعمت و ہدایت کا نفع صرف مومنین اور متفقین نے حاصل کیا اس لئے کسی جگہ اس کو ان کے ساتھ مخصوص کر کے بھی بیان کر دیا گیا۔

دوسری بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے لئے یا پورے عالم کے لئے

نعمت کرنی اور احسان عظیم ہونے کی تشریح و توجیہ ہے۔

یہ بات ایسی ہے کہ اگر آجھکل کا انسان ردحائیت فراموش اور مادتیت کا پرستار نہ ہوتا تو یہ مضمون کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں تھا، عقل سے کام لینے والا انسان اس احسان عظیم کی حقیقت سے خود واقع ہوتا، مگر ہو یہ رہا ہے کہ آج کا انسان دنیا کے چافور دل میں ہر شیار ترین چافور سے زیادہ کچھ نہیں رہا، اس کو احسان والعام صرف وہ چیز نظر آلی ہے جو اس کے پیٹ اور نفاسی خواہشات کا سامان ہتھیا کرے، اس کے وجود کی اصل حقیقت جو اس کی روح ہے اس کی خوبی اور خرابی سے وہ یکسر نافل ہو گیا ہے، اس لئے اس تشریح کی ضرورت ہوئی، کہ انسان کو پہلے تو یہ بتلا جائے کہ اس کی حقیقت صرف چند ہڈیوں اور گوشت پوست کا جھوڑ نہیں بلکہ حقیقت انسان وہ روح ہے جو اس کے بدن کے ساتھ متعلق ہے، جب تک یہ روح اس کے بدن میں ہے اس وقت تک انسان انسان ہے، اس کے حقوق

الانسانیت فاکم ہیں، خواہ وہ کہستہ ہی ضعیف دکم در، اسہب دم کیوں نہ ہو، کسی کی بجائی نہیں کہ اس کی جائیداد اور اموال پر قبضہ کر سکے، یا اس کے حقوق سلب کر سکے، لیکن جس وقت یہ روح وہ کے بدن سے الگ ہو گئی، تو خواہ وہ کہستہ ہی قوی اور پہلوان ہو، اور اس کے اعضاء سب اپنی اصل ہیئت میں ہوں وہ انسان نہیں رہا، اس کا کوئی حق خود اپنی جائیداد اور اموال میں باقی نہیں رہا۔

انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے ہیں اس لئے کہ وہ انسان روحا کی صحیح تربیت کر کے انسان کو تحقیق انسان بنائیں، تاکہ اس کے بدن سے جو اعمال رانفعال صادر ہوں وہ انسانیت کے لئے مفید ثابت ہوں، وہ درندے اور ذہریلے جانوروں کی طرح دوستکار انسانوں کو ایذا اور تسلیکیفت دیتا نہ پھرے، اور خود اپنے بھی انجام کو سمجھو کر آخرت کی رائجی زندگی کا سامان ہمیتا کرے، ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے زمرة انبیاء میں امامت و سیارت ملکہ سب قابل ہے، انسان کو صحیح انسان بنانے میں بھی آپ کی شان تمام انبیاء علیہم السلام سے بہت متاز ہے، آپ نے اپنی ملکی زندگی میں صرف یہی کام افراد سازی کا انجام دیا، اور انسانوں کا ایسا معاشرہ تیار کر دیا جس کا مقام فرشتوں کی صرفت سے آگے ہے، اور زمین و آسمان نے اس سے پہلے ایسے انسان نہیں دیکھے، ان میں سے ایک ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ مجھہ نظر آتا ہے، ان کے بعد کے لئے بھی آپ نے جو تعلیمات اور ان کے رواج دینے کے طریقے چھوڑے ہیں اس پر پورا عمل کرنے والے اسی مقام کو پا سکھتے ہیں جو صحابہ کرام نے پایا ہے، یہ تعلیمات سارے عالم کے لئے ہیں، اس لئے آپ کا وجود باجوہ پورے عالم انسان کے لئے احسان عظیم ہے، گواں سے یورانفع مومنین ہی نے اٹھایا ہے۔

واعظہ احمد میں مسلمانوں کو عاضی آیت آؤ دئما آصائب تکمیل آئیت، سابقہ آیات میں کہی جگہ اسی مضمون ملکت اور زخم و قتل کے مکاں کا ذکر آچکا ہے، یہاں پھر اس کی تاکید مزید توضیح کے ساتھ بیان ہیت آئے کے بعض اسیاب اور حکمیں کی گئی ہے، یہ کیونکہ مسلمانوں کو اس راقعہ سے سخت کلفت بختی یہاں تک کہ بعض حضرات کی زبان پر یہ بھی آیا آئی ہلن اکہ یہ مصیبت ہم پر کہاں سے آپڑی، جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکیب چہار ہیں۔

آبہت مذکورہ میں اول تو یہ بات یاد رکانی کہ جتنی مصیبت تم پر آج پڑی ہے تم اس سے دو گئی اپنے مخالفت پر اس سے پہلے غزوہ بدر میں ڈال چکے ہو، یہو نکہ غزوہ احمد میں شر مسلمان شہید ہوئے تھے، اور غزوہ بدر میں مشرکین کے مژہ سردار مارے گئے تھے اور مشرک گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے، اس بات کے یاد رکانی سے ایک تو یہ مقصد ہے کہ مسلمانوں کو اپنی موجودہ تملکیت و پریشانی کا احساس گھٹ جائے کہ جس شخص کی دو گئی جست ہو جو اگر ایک ف

آدمی ہارو شکست بھی ہو جائے تو زیادہ غم اور تباہ نہیں ہونا جائے۔
دوسری اصل مقصد آیت کے آخری جملہ فتنہ مونی عینی آنفیں کہ میں بتلایا کہ تکلیفنا
مدید ہبہ درحقیقت دشمن کی قوت و کثرت کے سبب سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی بیعنی کرتا ہیں میں
کے سبب ہے، کہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں ہم سے کوتا ہی ہو گئی۔

اس کے بعد کی آیت کیا ڈین انسو میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ یہ کچھ ہوا عن تعالیٰ
کے اذن و مشیخت سے ہوا جس میں بہت سی بھجتیں مستور ہیں جن میں سے بعض کا بیان پہلے
آچکا ہے، اور ایک بھجت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ موئین خاصین کو بھی دیکھ لیں اور مذاقین کو
بھی، یعنی مُؤْمِنین کا اخلاص اور مذاقین کی منافع کی منافع ایسی واضح ہو جائے کہ ہر دیکھنے والا دیکھ سکے
یہاں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے سے مراد ہیں ہے کہ دنیا میں جو دیکھنے کی صورت متعارف ہے اس صورت
میں دیکھ لیں، درہ اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں، چنانچہ بھجت اس طرح واضح ہو گئی
کہ اس شدت کے وقت مذاقین الگ ہو کر کھڑے ہوئے، اور خاص مومن معرکہ میں ڈالے دھے،
اور ایک وجہ تسلی یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اس حسر کی میں شہید ہو گئے ہیں ان کو حق تعالیٰ
نے وہ انعامات دیے ہیں کہ دوسروں کو ان پر رشک آنا چاہئے، اس مناسبت سے اس کے
بعد کی آیت ۷۸ لَا تَحْسِبْكُنَ الَّذِينَ قُتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا میں شہدا کے خاص
فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

یہاں آیت میں شہدار کے خاص فضائل کا بیان ہے، اور احادیث صحیح
کے خاص فضائل اور درجات میں اس کی بڑی تفصیل دارد ہوئی ہے، آنام فترطی نے فرمایا ہے
کہ شہدار کے بھی درجات اور حالات مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ردیابیت حدیث میں جملہ مختلف
صورتیں آئیں، وہ مختلف حالات کے انتبار سے ہیں۔

یہاں شہدار کی چہل فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ دہڑے نہیں، بلکہ دامنی زندگی
کے مالک ہو گئے ہیں، یہاں ۴ ہات قابل غور ہے کہ بظاہر ان کا مزما اور قبر میں رفیع ہونا تو مشارہ
او محروس ہے، پھر قرآن کی متعہ دیا یا کہ میں ان کو مردہ دشمن کی جو ہدایات آئی ہے
اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے، تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو
حامل ہے، کہ مردے کے بعد اس کی رُوح زندہ رہتی ہے، اور قبر کے سوال وجواب کے بعد مذمین
مالکین کے لئے سامان راحت اور کفار فغار کے لئے قبر کا عذاب قرآن و محدث سے ثابت ہے
تو یہ سیاست برزخی جب سب کے لئے عام ہے تو شہدار کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی اسی آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہدار کو اللہ کی طرف سے

جنت کا رزق ملتا ہے، اور رزق زندہ آدمی کو ملا کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں مذہل
ہوتے ہی شہید کے لئے رزق جنت جاری ہو جاتا ہے، اور ایک خاص قسم کی زندگی اسی وقت
سے اس کو مل جاتی ہے، جو عام مردوں سے ممتاز حیثیت کی ہے (فترطی)
اب رہا کہ وہ مستیاز کیا ہے؟ اور وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت سوائے غالباً
کائنات کے ذکولی جان سکتا ہے ذجانت کی ضرورت ہے، البتہ باوقات ان کی حیات
خاص کا اڑا اس دنیا میں بھی ان کے ابدان پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں سکھاتی وہ صحیح سالم
بات رہتے ہیں (قرطبی) جس کے بہت سے واقعات مشاہدہ کئے گئے ہیں۔
شہدار کی پہلی فضیلت اس آیت میں ان کی ممتاز دامنی حیات ہے، دوسری یہ کہ ان کو
اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا ہے، یہ سری فضیلت فریحین بِمَا أَشْهَمُ اللَّهُ میں یہ بیان
کی گئی کہ وہ ہمیشہ خوش خیم رہیں گے، ان نعمتوں میں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں چوتھی
فضیلت یہ ہے وَيَتَبَيَّنُ زَنْ بِالْأَدْيَنْ تَمَرِيدُهُ خَوْشَاءُهُمْ، یعنی وہ اپنے جن متعلقاتیں کو دنیا میں
چھوڑ گئے تھے ان کے متعلق بھی ان کو خوشی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر نیک عمل اور جہاد
میں مصروف رہیں تو ان کو بھی یہاں آ کر ہیں نعمتیں اور درجات عالیہ ملیں گے۔
بعد کی آیت ۷۸ لَا تَحْسِبْكُنَ الَّذِينَ قُتُلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا میں شہدا کے خاص
فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

یہاں آیت میں شہدار کے خاص فضائل کا بیان ہے، اور احادیث صحیح
کے خاص فضائل اور درجات میں اس کی بڑی تفصیل دارد ہوئی ہے، آنام فترطی نے فرمایا ہے
کہ شہدار کے بھی درجات اور حالات مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ردیابیت حدیث میں جملہ مختلف
صورتیں آئیں، وہ مختلف حالات کے انتبار سے ہیں۔

یہاں شہدار کی چہل فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ دہڑے نہیں، بلکہ دامنی زندگی
کے مالک ہو گئے ہیں، یہاں ۴ ہات قابل غور ہے کہ بظاہر هر ان کا مزما اور قبر میں رفیع ہونا تو مشارہ
او محروس ہے، پھر قرآن کی متعہ دیا یا کہ میں ان کو مردہ دشمن کی جو ہدایات آئی ہے
اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے، تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو
حامل ہے، کہ مردے کے بعد اس کی رُوح زندہ رہتی ہے، اور قبر کے سوال وجواب کے بعد مذمین
مالکین کے لئے سامان راحت اور کفار فغار کے لئے قبر کا عذاب قرآن و محدث سے ثابت ہے
تو یہ سیاست برزخی جب سب کے لئے عام ہے تو شہدار کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی اسی آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہدار کو اللہ کی طرف سے

دکرات کو ختم کر) و یا کہم کو حق تعالیٰ مشکلات کے لئے) کافی ہے اور وہی سب کام پرورد کرنے کے لئے اپنا ہے را کسی پرورد کرنے کو توکل کہتے ہیں) پس ووگ خدا کی نعمت اور فضل سے دینی ثواب اور نفع تجارت سے بھرے ہوئے والیں آئے کہ ان کو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی، اور وہ ووگ (اس واقعہ میں) رہنائے حق کے تالیق رہے راس کی بردلت اپنی رخموی نعمتوں سے سرفراز ہوئے) اور اشد تعالیٰ بڑے فضل والا ہے رسلما نو، (اس سے زیادہ کوئی رقباں اندیشہ) بات نہیں کہ یہ مجرم (فعلہ) شیطان ہے کہ اپنے (ہم مذہب) دوستوں سے (تم کو ڈرا دنا چاہتا ہے، سو تم ان سے کبھی مت ڈرنا، اور صرف مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان دالے ہو۔

معارف و مسائل

ربط آیات اور شان نزول اور پر غزوہ اُمر کے قصہ کا ذکر تھا، مذکورہ آیات میں اسی غزوہ کے نام سے مشہور ہے، حمرا، الاصد مرتبہ طبیہ سے آئٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔ واقعہ اس غزوہ کا یہ ہے کہ جب کفار نگہ اُمر کے میدان سے والیں ہو گئے، تو راستے میں یا کہ اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آجانے کے باوجود خواہ منواہ والیں بوٹ آئے، ہمیں چاہئے تھا کہ ایک بلہ کر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے، اور اس خیال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس سر شیطان ہے کہ ڈرتا ہے اپنے دوستوں سے سوتھ ان سے مت ڈو اور خافونِ ان کو نہیں موعِ منیق (۱۶) بھر سے ڈر اگر تم ایمان رکھتے ہو

کہ تم جاکر کسی طرح مسلمانوں کے دل میں ہمارا رب جماز کر دے پھر توٹ کر آ رہے ہیں، آنحضرت صل اللہ علیہ وسلم کو پڑ ریڈ دی یہ بات معلوم ہو گئی، اس نے آپ ان کے تعاقب میں حمرا الاصد نکل پہنچے (ابن جریر کذا فی الروح)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اُمر کے درسرے دن رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجاهدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے، مگر اس میں صرف وہی لوگ جا سکیں گے جو کل کے مسکر کے میں ہمارے ساتھ تھے، اس اعلان پر دوستوںجاہین کھڑے ہو گئے۔

اور صحیح تجارتی میں ہے کہ رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ کون ہے جو مشرکین کے تعاقب میں جائے تو ستر حضرات کھڑے ہو گئے، جن میں ایسے لوگ بھی تھے جو گذشتہ کل کے معزک میں شدید زخمی ہو پچکے تھے، دوسروں کے ہمارے چلتے تھے، یہ حضرات رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کے تعاقب میں روانہ ہوئے، مقام حمرا الاصد کو

الَّذِينَ أَسْتَجَابُوا لِهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْآنُ
جن لوگوں نے سمع مانا اور رسول کا بعد اس کے پہنچ پہنچے ہے ان کو زغم
لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرًا عَظِيمًا (۱۷) الَّذِينَ قَالُوا
جو ان میں نیک ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے جن کو کہا
لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا الْكُمْ فَإِنْ شُوْهَدُ
و گوں نے کہ مک دالے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان سماں م مقابلہ کو سوتھ ان سے ڈر دو
فَرَأَدُهُمْ إِيمَانًا بِهِ وَقَالُوا حَسِبْنَا اللَّهَ وَنَعْمَلُ وَوَكِيلٌ (۱۸)
اور زیادہ ہواں کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور سماں غوب کا راستہ ہے،

فَإِنْ قَلَبُوا إِنْعَدَتِي وَمَنْ أَدْلَى وَقَضَلُ لَهُ وَيَمْسَسُهُمْ سُوءً لَا
پھر چل آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کچھ نہ پہنچنی ان کر بڑائی
وَأَتَبْعَوْا رِضْوَانَ اللَّهِ وَأَدْلَى وَقَضَلُ عَظِيمٌ (۱۹) إِنَّمَا
اور تالیق ہوئے اللہ کی رضی کے اور اللہ کا فضل بڑا ہے یہ جو ہے

ذَلِكَمُ الشَّيْطَنُ يَحْوِفُ أَوْلَيَاءَكُلِّ صَفَلَاتِ تَحَافُوهُمْ وَ
درستہ میں ہے کہ ڈرتا ہے اپنے دوستوں سے سوتھ ان سے مت ڈو اور
خافونِ ان کو نہیں موعِ منیق (۲۰)

بھر سے ڈر اگر تم ایمان رکھتے ہو

خلاصہ تفسیر

جن لوگوں نے اللہ رسول کے کہنے کو (جبکہ ان کو تعاقب کفار کے نئے بلا گیا) قبلہ کرنا بعد اس کے کہ ان کو را بھی تازہ) زخم (لا ای میں)، لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور منتقی ہیں (اور واقع میں سب ہی ایسے ہیں) ان کے لئے (آخرت میں، ثواب عظیم ہے، یہ ایسے (خلص) ووگ ہیں کہ (بعض) لوگوں نے (یعنی عبدالقیس والوں نے جو) ان سے (آکر) ہمہ کہ ان لوگوں (یعنی ایں مکہنے) تھا کے (مقابلہ کے) نئے (بڑا) سامان جمع کیا ہے، سوتھ کو ان سے اندیش کرنا چاہئے تو اس رخرب نے ان کے رجڑیاں کو ادر زیادہ کر دیا اور (نہایت سبقتال) سے یہ کہہ

پھر پہنچے تو وہاں لکھیم بن مسحور ملا، اس نے خبر دی کہ ابو سنیان نے اپنے ساتھ مزید شکر جمع کر کے پھر یہ طے کیا ہے کہ پھر مدینہ ہجڑا عالیٰ گریں اور ابی مدینہ کا ہستیصال کریں، زخم خوردہ ضعیف مجاہد اس خبر دھشت اڑ کو مُسٹکر کیک زبان ہو کر بولے کہ ہم اس کو نہیں جانتے **عَلَيْكُمُ اللَّهُ أَكْبَرُ** اور قسم **اللَّهُ أَكْبَرُ**، یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے، اور وہی مقتدر نہ گاریے۔

اس طرف تو مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے یہ خبر دی گئی، اور مسلمان اس سے مناشرہ نہیں ہوتے، دوسرا طرف مقیدِ خزانی بھی خزانہ کا ایک آدمی مدینہ سے مکہ کی طرف جا رہا تھا یہ اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا، اس کا قبیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف تھا، اس لئے جب راستے میں مدینہ سے فوٹے ہوئے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹتے پر چھپتا رہا ہے اور پھر راپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کر مسلمان کمزور ہو گئے، میں ان کے بڑے لشکر کو حراہ، الاسد میں چھوڑ کر آیا ہوں، جو پورے سازو سامان سے تمھارے تعاقب میں نکلا ہے، ابوسفیان پر اس کی خبر نے رُعب ڈال دیا۔ اس واقعہ کا بیان مذکورہ تین آیتوں میں فرمایا گیا ہے، پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ غزروہ احمد میں زخم خورده ہو نے اور مشقیں برداشت کرنے کے باوجود جب آن کو دوسرا بے جہاد کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا یا تورہ اس کے لئے بھی تیار ہو گئے، اس مقام پر ایک امر قابل غور ہے وہ یہ کہ یہاں جن مسلمانوں کی تحریف بیان کی جائی ہو ان کے دُر و صفت بیان کئے گئے، ایک تو ہم بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الظُّرُمُ، یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا نے پر تیار ہونے والے دہلوگ یہیں جن کو احمد میں زخم پہنچنے تھے، اور آن کے نشر نامور بہادر شہید ہو چکے تھے، اور ان کے جسم بھی زخمیوں سے خورختے، لیکن جب آن کو دوسرا دفعہ بلا یا گیا تورہ فرما جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

دوسرے صفت لِلَّذِينَ آخْسَنُوا مِنْهُمْ وَالْأَقْرَوْا میں بیان کیا گیا ہے، کہ یہ لوگ عمل چند و چھد اور جانشarris کے عظیم کارناکوں کے ساتھ یہ حضرات احسان و تقویٰ کی صفات کمال سے بھی آراستہ تھے، اور یہ مجموعہ ہی ان کے اجر عظیم کا سبب ہے۔
اس آیت میں لفظ مُنْهَمْ سے یہ شبہ نہ کیا جاتے کہ یہ سب لوگ احسان و تقویٰ کے حامل نہیں، بلکہ ان میں سے بعض تھے، اس لئے کہ یہاں حرمت مِنْ "تعیض" کے لئے نہیں بنکر بیان نہیں ہے، جس پر خود اسی آیت کے ابتداء الفاظ اَلَّذِينَ اشْتَجَابُوا شاہد ہیں کیونکہ یہ سمجھیا جاتے راطاعت بغیر احسان و تقویٰ کے ہو سی نہیں سکتی، اس لئے اکثر مفسروں نے اس جگہ مِنْ "کوہ بیانیہ دستار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب لوگ جو احمد

مکم رسول در حقیقت اس واقعہ میں شرکیں کے تعاقب میں جانے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رایا تھا، قرآن کی کسی آیت میں مذکور نہیں، مگر اس آیت میں جب ان لوگوں کی اطاعت شماری کی مدد فرمائی تو اس حکم کو اللہ اور رسول دو نوں کی طرف منسوب کر کے **الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِنِّي وَالرَّتَّابُولِ فَرِيَاكُمْ**، جس نے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیتے ہیں وہ اللہ کا حکم بھی ہوتا ہے، اگرچہ اللہ کی کتاب میں مذکور نہ ہو۔ جو بے دین حدیث کا انکار کرتے ہیں، اور رسول کی حقیقت صرف ایک قادر کی تبلاتے ہیں رعاذا اللہ، ان کے معنے کے لئے یہ جملہ بھی کافی ہے، کہ رسول کے حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہی حکم فسرا دیا، جس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ رسول خود بھی اپنی صواب دید پر مصلحت کے مطابق کچھ احکام دے سکتے ہیں اور ان کا وہی درجہ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے احکام کا ہے احسان کی تعریف | احسان کی تعریف حدیث جبریل کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے،

آن تَعْبُدُنَّ اللَّهَ كَمَا نَلَّتْ تَرَاهُ
فَإِنَّ لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ فَيَا تَهْ يَرْبِلَه
أَرْجَ كَرْدَ كَرْ كَوْ بَا تَمْ اَشْ كَوْ دَيْ كَهْ وَهْ بَهْ بَهْ
اَرْ أَكْرِيْ مَالَتْ پَيْرَانْ هَرْ تَوْكِمْ اَزْ كِمْ بَيْ حَالَتْ هَرْ كَوْ دَيْ كَهْ رَاهْ بَهْ
تفوی کی تعریف | تقوی کی تعریف متعدد تبیرات سے کی گئی، لیکن سچے زیادہ جامع تعریف
وہ ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر
فرمایا، حضرت عمر نے پوچھا تھا کہ تقوی کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ
امیر المؤمنین: کبھی آپ کالیے رہستہ پر بھی گزر ہوا ہو گا جو کاشتول سے پر ہو، حضرت عمر
نے فرمایا، کہی بار ہوا ہے، حضرت ابی بن کعب نے فرمایا، ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا،
حضرت عمر نے فرمایا کہ دامن سیست لئے اور زہابیت حستیاط سے چلا، حضرت ابی بن کعب
نے فرمایا کہ بس تقوی اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کاشتوں سے

بھری پڑی ہے، اس نے دنیا میں اس طرح چلتا اور زندگی ادا رہنا چاہئے کہ دامنِ عناء ہوں کے کام پر
سے مل جائے، اسی کا نام تقویٰ ہے جو رسیت زیارتی سرمایہ ہے، مصطفیٰ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
پڑھا کرتے تھے تھے

يَقُولُ الْمُرْءُ فَاتِنَةٌ فِي قَمَادِيٍّ
وَلَقَوْسِيَ اللَّهُوَأَنْصَلُ مَا اسْتَفَادَأَ
قَبْنَ لُوكَ اپْنَيْ دَيْوَنَدَے اور مالَ کے چھپَ ڈے رہتے ہیں، حالاکَ تَمَوْنَجَ
پہنچ رہا ہے ॥

دوسری آیت میں اس جہاد کے لئے بڑھنے والے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی
مرید توصیت درعیت اس طرح کی گئی:

أَلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا أَكْثَرَ فَإِنْ شُوَهُمْ فَزَادُوهُ
إِلَيْنَا ثَمَادٌ يُنَبِّئُهُ دَهْ حَزَّاتٍ پیش کر جب ان لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف دشمنوں نے بڑا سال
اکٹھا کیا ہے، ان سے ذروجگ کا ارادہ نہ کر دا، تو اس خبر نے ان کا جوش ایمان اور بڑھادیا، وجہ
یہ ہے کہ اُنہا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت جب ان حضرات نے قبول کی تھی تو پہلے ہی دن
سے محوس کر لیا تھا کہ ہم نے جس راستے پر سفر شروع کیا ہے وہ خطوات سے پُر ہے، قوم قدم
پر مشکلات دموانچ پیش آئیں گے، ہمارا راستہ روکا جائے گا، اور ہماری القلبی تحریک کو
ثانی کے لئے مسلح کو شیشیں کی جائیں گی، اس نے جب یہ حضرات اس قسم کی مشکلات کو
دیکھتے تھے تو ایمان کی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی تھی، اور پہلے سے زیادہ جانشناز اور فدائیک
کے ساتھ کام کرنے لگتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ان حضرات کا ایمان تو اسلام لانے کے اول روزی سے کامل تھا، لہذا
ان دونوں آیتوں میں ایمان کی زیادتی سے ایمان کی صفات اور ایمان کے ثمرات کی زیادتی ملاد
ہے، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر تیار ہو جانے والے صحابہ کی اس
حالت کو بھی اس جگہ خصوصیت کے ساتھ بیان کیا، کہ اس جہاد کے سفر میں تمام راستے یہ
جلد اُن کے درد زبان رہ جائیں گے اللہ و نعمتہ اُن کی گی، اس جملہ کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
ہماں لئے کافی ہے اور وہی بہتر کار ساز ہے۔

ہہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
صحابہ کرام میں زیادہ تر دنیا میں کسی کا توکل و اعتماد اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا، یہ کن آپ کی
صرورت توکل یہ نہیں، کہ اس باب ظاہر و کوچبڑ کر بیٹھ رہتے اور کہتے کہ ہیں اللہ تعالیٰ کافی ہے

دیش تھا کہ ہیں علماء اس سردارے گا، نہیں، بلکہ آپ نے صحابہ کرام کو حج کیا، زخم خوردہ
و گول کے روں میں شی روح پیدا فرمائی، جہاد کے لئے تیار کیا، اور بھل کھڑے ہوئے، جتنے
اسبابِ ذرا تھے اپنے اختیارات میں تھے، وہ سب ہمیا اور رہنماء کرنے کے بعد فخر رہا یا کہ
ہیں اللہ کافی ہے، یہی وہ صحیح توکل ہے جس کی تعلیمِ قرآن میں دی گئی، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور کرایا، اس باب ظاہرہ دیواری بھی خدا تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو ترک
کر دینا اس کی ناسختگری ہے، ترکِ اس باب کر کے توکل کرنا سخت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
نہیں ہے، اکوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معدود سمجھا جا سکتا ہے، درست صحیح بات یہی ہے کہ
بر توکل زانوئے اُشتہر ہے بند

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک داعر میں اسی آیت خبَدَ اَنْشَدَ وَنَعْمَلَ اُرْكِيلَ
کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

عوف بن مالک کث فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا
معتد مہ آیا تھا نے ان کے درمیان فیصل فرمایا، یہ فیصل جس شخص کے خلاف تھا اس نے
فیصلہ نہایت سکون بے سنا، اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا کہ حُسْنَى اللَّهُ وَنِعْمَةُ الْوَكِيلِ،
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس شخص کو میرے پاس لاو، اور فرمایا،

إِنَّ ادْدَةَ يَكُونُمْ عَلَى التَّعْبِيرِ وَ

لَكُنْ عَلَيْكُمْ يَا تُكَبِّيْنِ فَتَبَادِأُ

غَلَبَكُمْ أَمْرٌ فَقُلْ مُخْسِنُ اللَّهُ وَ

نِعْمَةُ الْوَكِيلِ،

وَقْتَ كُوچُبِيْنِ اللَّهُ وَنِعْمَةُ الْوَكِيلِ ॥

تیسرا آیت میں ان حضراتِ صحابہ کے اقدام جزا اور حبَّتِ اللہ و نعم اور کیل ہے کے
فاد و مہرات اور برکات کا بیان ہے، فرمایا ہے:

فَإِنَّكُمْ بِمِنْعَمَةٍ مِنْ ادْعَى وَفَصْلٌ قَمْ يَمْسِكُمْ مُسْعَدٌ وَأَتَبْغُوا رِضْوَانَ اللَّهِ
یعنی یوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس آتے، کہ امیں کوئی ناگواری ذرا نہ پیش آئی
اور یہ لوگ رضاۓ الہی کے تابع رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو تین نعمتیں عطا کیں، پہلی نعمت تو یہ کہ کافر دل کے قلب
میں رعب و میہدیت ڈال دی، اور وہ لوگ بھاگ گئے، جس کی وجہ سے یہ حضرات قتل و قتل
سے محفوظ رہے، اس فتحِ اللہ تعالیٰ نے نعمت ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا، اور دوسری
نعمتِ اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمائی کہ ان حضرات کو حرامِ الاصد کے بازار میں تجارت کا مرتع

مالا در اس سے منافع حاصل ہوتے اس کو لفظ فضل سے تبیر فرمایا ہے۔
یہ سری نہت جوان نعمتوں سے بڑھ کر ہے در عین حال ایسی حصول ہے، جو اس جہاد میں ان حضرات کو خاص انداز میں حاصل ہوتی ہے۔

خَبَّثَنَا اللَّهُ وَنَعْلَمُهُ عَنْ أَبِيهِ عَظِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا
پکھے صحابہ کرامؐ کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بلکہ جو شخص بھی جذبہ ایمان کے ساتھ اس کا درد کرے وہ برکات حاصل کرے گا۔

شائخ و علماء نے حبنا اللہ و قم الوکیل پڑھنے کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک نہ
مرتبہ جذبہ ایمان و اتفاقیار کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ زدہ ہیں فضلاً
بچوم افکار و مصائب کے وقت حبنا اللہ و قم الوکیل کا پڑھنا مجبوب ہے۔

چونچی آیت میں پر ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے مشرکین کے
دربارہ پوشنے کی خردی نے والا میں شیطان ہے، جو تم کو اپنے اولیاء یعنی ہم غریب کفار سے
ڈرانا چاہتا ہے، تو گویا اصل عبارت میں یہ کھوف کا ایک مفعول مخدود ہے، یعنی یہ خوب قلم
اور درہ مخالف اور لیتا ڈھنڈا مذکور ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو ایسی خبروں سے ہرگز درنا نہیں چاہئے، البتہ مجہد سے ذریعے
رہنا ضروری ہے، یعنی میری اطاعت کے خلاف کرنی قدام اٹھانے سے ہر مومن کو ڈرنا ضروری
ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہو تو کوئی نفعنا نہیں پہنچا سکتا۔

خوب خدا سے مراد کیا ہے اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اللہ سے ذریعے
رہیں اور دسترسی آیت میں ان لوگوں کی مدد فرمائی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، یعنی قویون سے محروم
میں قوی و قہم (۵۰: ۱۲) مگر بعض اکابر نے فرمایا کہ خوف خداروں نے اور آنسو پر پچھنے کا نام نہیں، بلکہ
اللہ سے ڈرتے رہا رہے جو ہر اس چیز کو پہنچائے جس پر ارشاد کی طرف سے عذاب کا خطہ ہو۔

ابوعلی دحیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر بن فوکہ بیمار تھے، میں ان کی عیارت کو
سمیا، مجھے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں آنکھ آگئے، میں نے کہا کہ مجھے ہے نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء
و عافیت دیں گے، وہ فرمائے ہیں کہ کیا تم یہ سمجھے کہ میں موت کے خوف سے روتا ہوں، بات
یہ نہیں، مجھے با بعد الموت کا خوف ہے کہ دہان کوئی عذاب نہ ہو (قرطبی)

وَلَا يَحْرُنْكَ الَّذِينَ يَسَارُ عَوْنَ فِي الْكُفَّارِ لَهُمْ لَنْ
اور غم میں دہانیں سمجھ کو دہ دوں جو اسے پس کفر کی طرف دے

يَسْرُ وَاللَّهُ شَيْءًا أَيْرِيدُ اللَّهُ أَلَا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي
بھاڑیں میں اللہ کا کچھ ارشہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہیں آخت
الْأُخْرَى هُوَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَبِي عَظِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا
میں ان حضرات کو خاص انداز میں حاصل ہوتے ہیں اور ان کے لئے غذاب ہے بلکہ جنہوں نے مولیٰ پر
الْكُفَّارِ بِالْأَلْيَمِ لَنْ يَسْرُ وَاللَّهُ شَيْءًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَبِي
کفر کو ایمان کے بدلتے وہ دہ بھاڑیں میں ارشہ کا کچھ اور ان کے لئے غذاب
الْأَلْيَمٍ ۝ وَلَا يَحْسَنَ بَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْهَا لَهُمْ
ہے دردناک اور یہ شر بھیں کافر کر ہم جو ہملت دہتے ہیں ان
لَهُمْ خَيْرٌ لَا نَفِسٌ هُرِيدُ إِنَّهَا نَعْمَلٌ لَهُمْ لَيْزَدَادُ وَإِنَّهَا
کو کچھ بھلاک ہے ان کے حق میں ہم تو ہملت دہتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَبِي مَهْيَنٍ ۝

اور ان کے لئے غذاب ہے رسول کریمؐ

رابط آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے، کہ آپ ان کفار کی حرکتوں سے رنجیدہ
اوہ شکستہ خاطر نہ ہوں وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، آخری آیت میں اس خیال کا جواب ہے
کہ بلاہر زور نیا میں پر کفار پھلتے پھولتے نظر آتے ہیں تو ان کو مہمہ رہ مغضوب کیسے بھا جائے؟

خلاصہ تفسیر

اور آپ کے لئے وہ لوگ موجب غم نہ ہو لے چاہیں جو جلدی سے کفر کی باتوں میں
جا پڑتے ہیں، (جیسے منافقین کو زر اسلام اور کاپڑہ بلند کیا تھا تو کھل کھلا کفر کی بائیں کرنے لگتے
ہیں، جیسا کہ واقعات مذکورہ میں معلوم ہو چکا ہے) یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو
ذرا نہیں، مجھے با بعد الموت کا خوف ہے کہ دہان کوئی عذاب نہ ہو (قرطبی)
اللہ کے دین کو ضرر نہیں پہنچا سکتے (اس لئے آپ کو یہ غم تو ہونا نہیں چاہئے کہ ان کی حرکتوں سے
جنہم کی طرف جا رہے ہیں تو بھی آپ غم نہ کریں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو رسمکوئی طور پر میتنکوئی
کر آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہ دے (اس لئے ان سے موافقت کی امید رکھنا صحیح نہیں،

اور رجیخ دیں ہو گا ہے جہاں امید ہو) آور دائیک لئے صرف آخرت کی نعمتوں سے محرومی ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کو مزراعے عظیم بھی ہرگز لا جس طرح یہ لوگ دین اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، اسی طرح (یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان دکرو چھوڑ کر اس، اگلے جگہ کفر کو ہستیاں کر رکھا ہے رخواہ منافق ہوں یا کھلے کافر اور خواہ پاس کے ہوں یادوں کے یہ لوگ (بھی اللہ تعالیٰ دے کے دین) کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور ان کو (بھی پہلے لوگوں کی طرح) دُنیا سترزا ہو گی، اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو (عذاب) ہملت دینا رکھو، ان کے لئے بہتر اور مفید) ہے (ہرگز نہیں بلکہ) اہم ان کو اس لئے ہملت نہیں رہے ہیں (جس میں زیارت عمر کی وجہ سے) ان کو جرم میں اور ترقی ہو جائے (تاکہ یکبار مگر پوری سزا ملے) اور دنیا میں اگر سزا نہ ہوئی تو کیا ہے آخرت میں تو) ان کو تو میں آمین سزا ہو گی۔

معارف و مسائل

کفار کی دنیوی عیش و عشرت بھی | یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافر دل کر رہجہت عذاب ہی کی تکمیل ہے | ہملت اور عمر در راز اور عافیت در راحت کے سامان اس رہجہت کے انتہا کی تکمیل ہے جسے دینے دینے ہے اپنے جرم میں اور بڑھتے جائیں تو پھر کفار بے قصور ہوئے یہ کوئی مقصود آیت کا یہ ہے کہ کفار کی اس چند روزہ ہملت اور عیش و عشرت سے مسلمان پریشان نہ ہوں، کیونکہ باوجود کفر و عصيان کے ان کو دنیوی قوت، طاقت، سامان دنیا پر بھی اُن کے عذاب ہی کی ایک صورت ہے، جس کا احساس آج نہیں اس دنیا سے جانے کے بعد ہو گا کہ یہ دنیا کا سامان راحت جو اخنوں نے گناہوں میں خرچ کیا، درحقیقت جہنم کے انگارے تھے، جیسا کہ آیتوں میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّمَا يَمْرِيدُ اللَّهُ بِيَعْدِلَ بِهِكُلُمْ** (بخاری، ۵۵)، یعنی کفار کے اموال اور عیش و عشرت ان کے لئے کرنی فخر کرنے کی چیز نہیں، یہ تو اللہ کی طرف سے عذاب ہی کی ایک قسط ہے، جو ان کے عذاب آخرت بڑھانے کا سبب ہے۔

**مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُوْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ
أَنْتُمْ كَرِهُونَ لِيَكُلُمُوا مُؤْمِنِينَ كُلُّ مُؤْمِنٍ إِذَا مُؤْمِنٌ كَافِرٌ**
**مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُكْفِرِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ
أَنْتُمْ كَرِهُونَ لِيَكُلُمُوا مُؤْمِنِينَ كُلُّ مُؤْمِنٍ إِذَا مُؤْمِنٌ كَافِرٌ**

عَلَىٰ الْغَيْبِ وَلِكِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مِنْ رَسُولِهِ مَنْ يَشَاءُ سَقَاءً مُنْتُوْا
غیب کی لیکن اللہ پہاڑ نیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو مجاہد ہے، سو تم یقین نہیں بلکہ باللہ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تَعْمَلُوْا وَمَعْلُوْا فَلَكُمُ الْأَجْرُ عَظِيمٌ

اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو ہو اور یہ بیزی گاری پر تو تم کو بڑا فواب ہے

رِبْطِ آیات پہلی آیت میں اس شبہ کا جواب ہتا کہ جب کفار اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجنون اور مردود ہیں تو دنیا میں ان کو اموال و جامد اور عیش و عشرت کے سامان کیوں حاصل ہیں 'مذکور' آیت میں اس کے مقابل اس شبہ کا ازالہ ہے کہ نومن مسلمان جو اللہ کے مقبول ہندے ہیں ان پر تکالیف و مصائب کیوں آتے ہیں، مقبویت کا تقاضا ناکوئی تھا کہ راحیں اور سامان راحت اُن کو

خلاصہ تفسیر

اُن شرعاً مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا، ہمیں چاہتا جس پر تم اب ہو د کہ کفر دایسان اور حق و باطل اور مومن و منافق میں اللہ تعالیٰ کے دینے ہی سے انعامات دنیوی کے اختبار سے کوئی ہستیاں اور فرق نہیں، بلکہ مسلمانوں پر شدائد و مصائب کا نازل ہوتے رہنا اس وقت تک ضروری ہے، جب تک کہ ناپاک رہنے منافن اکپاک (یعنی مومن خاص) سے ممتاز نہ کرو جائے (اور یہ تکسر و تبیین مصائب و مشکلات ہی کے پیش آئے پر پوری طرح ہو سکتی ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ مومن دکافر در حق و باطل میں ہستیاں پیدا کرنے کے لئے کیا ضروری ہے کہ خادث و مصائب ڈال کر ہی یہ استیاں پیدا کرنے کے لئے کیا اس کا اعلان فرماسکتے ہیں کہ فلاں مومن مخلص ہے اور فلاں منافق، اور فلاں چجز حلال ہے فلاں حرام، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (بِعِتْنَاتِ حِكْمَةٍ) اپنے امور عجیب پر تم کو دلا دامت ابتلاء و امتحان کے مطلع نہیں کر رہا جا، تھے، لیکن ہاں جس کو اس طرح مطلع کرنا ہر دو چاہیں اور رائیے حضرات، وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہی ان کو (بلاد استحادت بھی غبی خبروں پر مطلع کرنے کے لئے پہنچنے بندوں میں سے منتخب فرمائیتے ہیں، رادر تم پیغمبر ہو نہیں، اس لئے ایسے امور کی تھیں اطلاع نہیں دی جاسکتی، البتہ ایسے حالات پیدا فرمائے ہیں کہ ان سے مخلص و منافق کا فرق خود بخوبی واضح ہو جائے، اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا میں کافروں پر عذاب نازل نہ ہونا بلکہ عیش و عشرت ملنا اور مسلمانوں پر بعض مصائب دشاذم نازل ہونا میں تمامے حکمت ہے، یہ ایس کسی کے مقبول یا مرد و رہنے کی دلیل نہیں ہو سکتیں، اسیں اب تم رایسان کے پسندیدہ

وَلَا يُحْسِنَ النَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا أَنْتَ هُنْ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ
اُور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس بیز پر جو اللہ نے انکو دی ہے لپٹنے نفل سے کہ یہیں
تَحِيرًا لَّهُمْ طَبَلَ وَهُوَ شَرٌ لَّهُمْ أَسْبِطُوا فِيْنَ مَا بَخْلُوا بِهِ يَوْمَ
بہترین ان کے حق میں بکھری یہست بڑا بے ان کے حق میں اعلوں بننا کر ڈالا ہا بیکان کے چکوں میں رہا مال جن میں بخل کیا تھا
الْقِيمَةِ طَوِيلٍ وَلِلَّهِ مِدْرَأَتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
تیامت کے دن اور اللہ وارث ہے آسان اور زین کا اور اللہ جو تم گرتے ہو
تَحِيرًا لَّهُمْ لَقَدْ سَوْمَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَعَنْ
سُو جانتا ہے بیٹک اللہ نے متن ان کی بات جھوپونے کیا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم
اللہ تعالیٰ کے افعال کی پوری جھنعنی تو اسی کو معلوم ہیں، یہاں ایک محنت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ
آغْنِيَاءُ مَرْسَنَكَتِبٍ مَا قَاتَلُوا وَ قَتَلُهُمُ الْأَنْذِيَاءُ بِعَيْرِ حَقٍّ لَا وَ
مال دار اب تک رکھیں گے ہم ان کی بات اور جو خون کئے ہیں انھوں نے انبیاء کے نامیں اور
نَقْوُلُ ذُو قُوَّاعِدَ أَبَ الْحَرَبِينَ ۝ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُ أَيْدِيْ يُكْرَمُ
سہیں میں کہ چھوٹو عذاب جلتی آج کا یہ بڑا س کا ہے جو تم نے اپنے باخھوں آگئے بھیجا،
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِنَظَارٍ لِلْعَبِيدِ ۝ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ
اور اشد ظلم نہیں کرتا بندوں پر وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو
سَعَاهَدَ إِلَيْنَا أَلَا نَؤْمِنَ لِرَسُولِ حَثْلِيْ ۝ يَا تَيَّبَنَ لِقَرْبَانَ تَائِيَلَهُ
کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کیس رسول کا جب تک نہ لائے پاں قربان کو کھا جائے
النَّارُ طَقْلٌ قَدْ جَاءَ كَمْ رَسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيْتِ وَإِلَيْنِيْ
اس کر آجس تو کہہ تم میں آپکے گئے رسول بھے پہلے نشانیاں نے کر اور یہ بھی
قَلْمَمْ فَلِمْ قَلْمَلْمُو هُمْ إِنْ كَمْتُمْ صِدِّيقِيْنَ ۝ فَإِنْ كَذَّ بُوكَ
جو تم نے ہما پھر ان کو کیوں قتل کی تم نے اگر تم پختے ہو، پھر اگر یہ بھکھ کو جھٹلاویں
فَقْلَ كَذِّ بَرْسَلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءَ وَبِالْبَيْتِ وَالزُّبُرِ
تو سلے تھے سے جھٹلائے گئے بہت رسول جو لائے نشانیاں اور صیغہ
اُلْكِتَبِ الْمُنْيِرِ ۝ كُلْ نَفْسٌ ذَآيَةٌ الْهُوَتُ وَإِنْتَ
اور کتاب روشن ہر ہی کو پچھننے ہے موت اور نم کو

اور کفر کے ناپسندیدہ ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو، بلکہ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان
لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور رکفر معاصی سے اپر میز رکھو تو پھر تم کو اجر عظیم ہے۔

معارف و مسائل

مَنْ دَنَافَ مِنْ امْتِيَازِ رَحْمَةِ [اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ مومن مخلص اور منافق میں امتیاز کے
بَعْدِ مُلْطَبٍ رُكْنَتِيْ لَكِ] حَكْمَتِيْ [لے جن تعالیٰ ایسے حالات حوارث و مشکلات کے پیدا فرماتے
ہیں جن سے عمل طور پر منافقین کا نفعان مکمل جاتے، اور یہ امتیاز اگرچہ یوں بھی ہو سکتا تھا کہ
بذریعہ وسی منافقین کے نام متعین کر کے بخلاف یا جائے، مگر متعین اسے محنت ایسا نہیں سیاہی
اللہ تعالیٰ کے افعال کی پوری جھنعنی تو اسی کو معلوم ہیں، یہاں ایک محنت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ
اگر مسلمانوں کو بذریعہ وسی بخلاف منافق ہے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق اور
معاملات میں ہستیا طاکے لئے کوئی ایسی واضح محنت نہ ہوتی جس کو منافق بھی تسلیم کر لیں، وہ
کہتے کہ تم غلط کہتے ہو ہم تو کپکے سچے مسلمان ہیں۔]

بغلاف اس پر عمل امتیاز کے جو مصائب کے ہستام کے ذریعہ ہوا کہ منافق بھائی کھڑے
ہوئے عمل طور پر ان کا نفعان مکمل گیا، اب ان کا یہ ممہ نہیں رہا کہ مومن و مخلص ہونے کا دعویٰ کرنا
اور اس طرح لفان تکھل جانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو اک مسلمانوں کا ان کے ساتھ ظاہری
اخلاطا بھی قلع ہو درستہ دل میں اختلاف کے باوجود رضاہری اخلاق اطرافہ تروہہ بھی مضری ہوتا۔
امور غیب پر کسی کو مطلع کر دیا اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن تعالیٰ امور غیب پر بذریعہ وسی اطلاع
جانے نوہ علم غیب نہیں ہر شخص کو نہیں دیتے، البتہ اپنے انبیاء کا انتساب کر کے ان کو دیتے ہیں
اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر تو انبیاء بھی علم غیب کے شریک اور عالم الغیب ہو گئے
کیونکہ وہ علم غیب جو جن تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کسی مخلوق کو اس میں شریک
قرار دینا شرک ہے، وہ دو چیزوں کے ساتھ مشرد رہتے ایکت پر کہ وہ علم ذاتی ہو کسی دوسرے
کا دیا جوانہ ہو اور تو سرے تمام کائنات ماضی مدنظر کا علم حیطہ مراجیں سے کسی ذرے کا علم بھی
مفقع ہے جن تعالیٰ خود بذریعہ وسی اپنے انبیاء کو جواہر غیبیہ بتلاتے ہیں وہ حقیقت علم غیب نہیں
ہے بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی گئی ہیں جن کو خود قرآن کریم نے کہ جگہ انبار الغیب
کے لفظ سے تعبیر فرمایا، منْ آنِبَاءَ الْقَيْبِ لَوْجَيْقَهَا إِلَيْكَ (۲۹:۱۱)